تنزیلہ ریاض

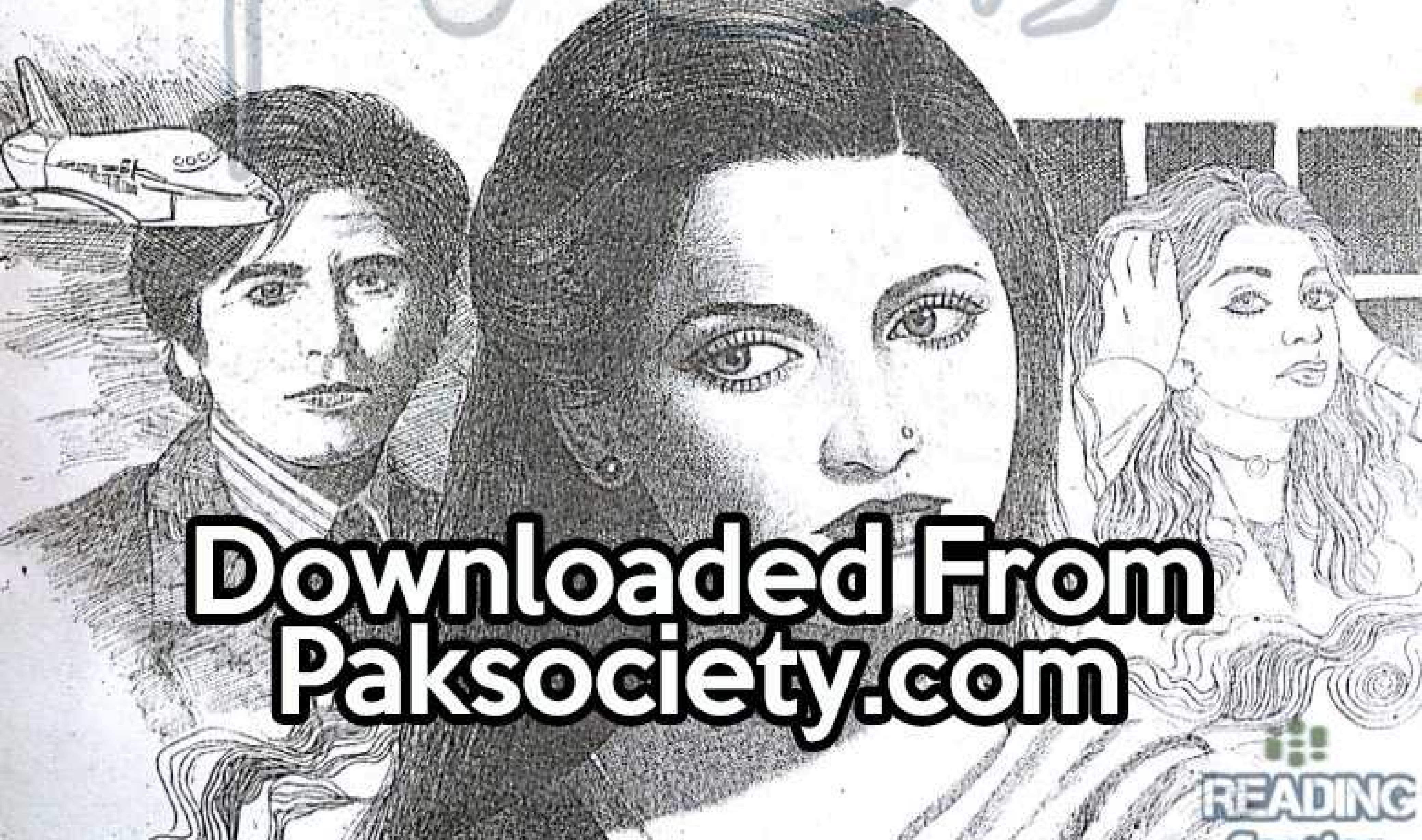
# راپنزل

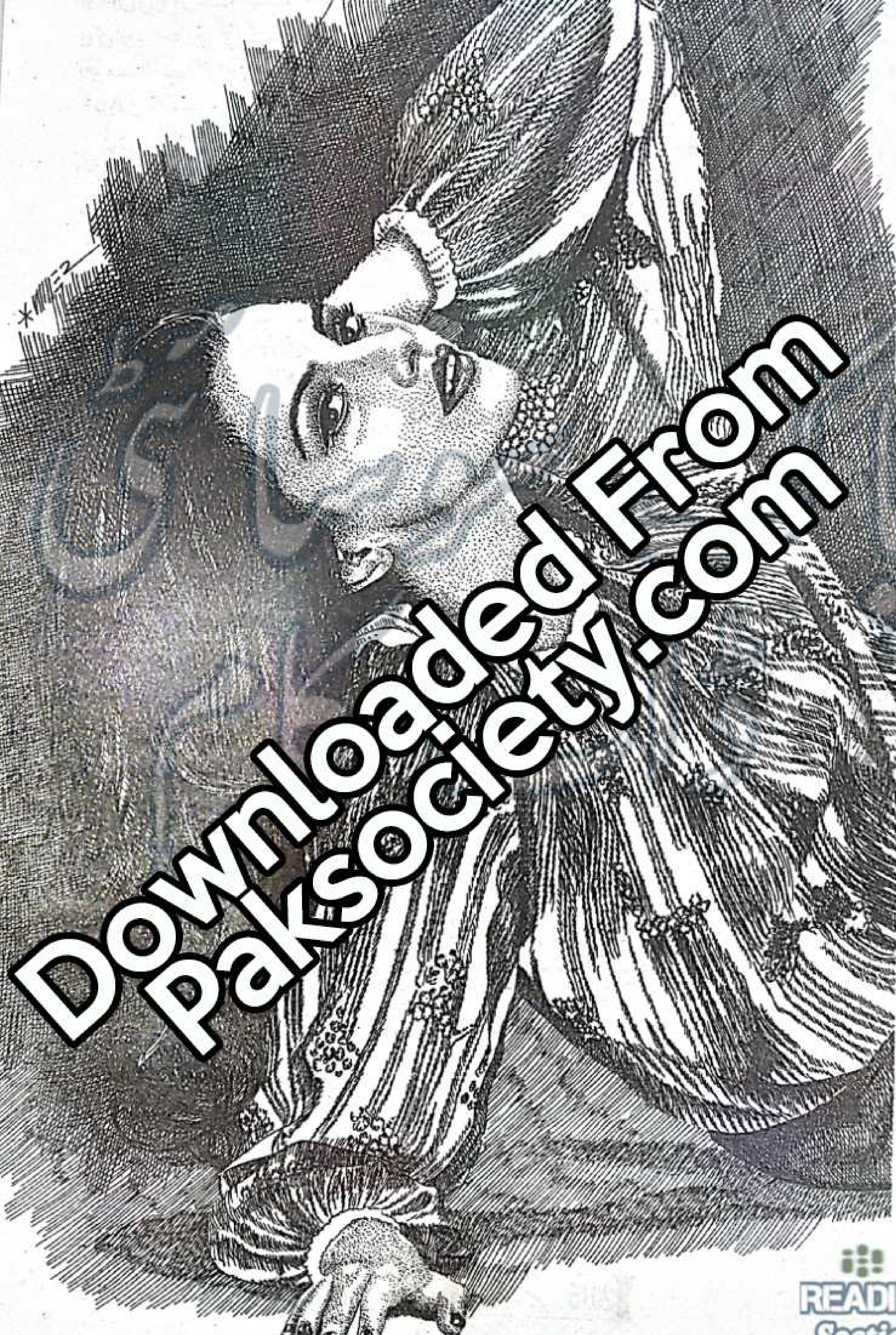
مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی' وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی' لیکن ایک بات حتمی تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی' لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچ مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پتا کر کے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہوجاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوادی' سلیم نے پرائیویٹ انٹر کر کے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوجاتی ہے' جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک' لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنا دیا گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور





دوستوں کی بیویوں سے بہت بے تکلف ہو کر ملتا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ کی ساس کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کو ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہوجاتی ہے اور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کرکے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جاکر سمیع سے شادی تو کرلی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہوجاتی ہے اور زیادہ تر پلز لے کر اپنے بیڈ روم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلالیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپرواہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہوکر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہوجاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی بمن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتے ہیں۔

اب آگے پڑھیے

## پانچویں قسط

وہ روٹین کے مطابق ٹیوشن پڑھانے کی غرض سے نکلی تھی۔ پرپل کلر کے چھوٹے چھوٹے دائروں والی قمیص کے ساتھ' سفید ٹراؤزر اور سفید ہی دوپٹا لیے' ایک ایک کرتے سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ غالب کی غزل کے وہ اشعار منہ ہی منہ میں دہرا رہی تھی جن کی تشریح اسے رانیہ کو کروانی تھی۔ آخری سیڑھی سے اترتے ہی اس نے سامنے چبوترے پر بیٹھے سلیم کو دیکھا۔ اسے دل ہی دل میں سخت پشیمانی محسوس ہوئی۔ سلیم کی بیساکھی سائڈ پر پڑی نظر آرہی تھی۔ اس کی دکان بائیں جانب بالکل سامنے ہی تھی' لیکن چونکہ سلیم چل نہیں سکتا تھا اور اپنی بیساکھی کو گھسیٹتا ہوا ان کے دروازے تک آیا تھا تو یہ بہت بڑی بات تھی۔

"تم صبح صبح یہاں کیوں بیٹھے ہو کزن... جانتے ہو نا میرے ابا لنگر تقسیم نہیں کرتے۔" عادت سے مجبور تھی اس لیے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں بولی تھی۔ سلیم نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا' لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بالکل سپاٹ تھے۔ نینا چبوترے پر اس کے بالکل ساتھ آبیٹھی تھی تب ہی اس کی نگاہ سلیم کے عقب میں پڑے شاپر پر پڑی جس میں چپس کا بڑا والا پیکٹ تھا' اس کی پسندیدہ ببل گم بھی تھی اور چلی ملی بھی کے پیکٹ بھی نظر آرہے تھے۔ اب کی بار نینا کو کافی سے زیادہ پچھتاوا بھی ہوا اور ساتھ ہی ساتھ سلیم پر ٹوٹ کر پیار بھی آیا۔

"بولو نا یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" وہ سوال پوچھے بنا رہ بھی نہیں سکی تھی حالانکہ جانتی تھی کہ وہ اس کی خاطر ہی آیا تھا۔ دو دن ہوگئے تھے وہ اس کی دکان تک نہیں گئی تھی۔ سلیم ابھی بھی کچھ نہیں بولا تھا شاید اس کے پاس بولنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔

"میں زندہ ہوں... مری تو نہیں ہوں جو تم نے اتنا رونے والا منہ بنایا ہوا ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔ سلیم نے کھا جانے والی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا پھر اسی کے انداز میں بولا۔

"تم سے کس نے کہہ دیا کہ جب تم مروگی تو میں رونے والا منہ بناؤں گا۔"

"کہنا کس نے تھا... کسی کی مجال ہے کہ مجھ سے کچھ کہے... وہ تو میں نے خود ہی فرض کرلیا تھا۔" وہ اطمینان سے بولی۔
"میتھس پڑھا پڑھا کر تمہیں عادت ہی پڑ گئی ہے غلط سلط چیزیں فرض کرنے کی... یاد رکھنا جب تم مروگی تو میں موتی چور کے لڈو سارے محلے میں بانٹوں گا اور ان تمام گھروں میں بھی دے کر آؤں گا جہاں جہاں تم ٹیوشن پڑھانے جاتی ہو۔"
"میرے ابا اگر یہ بات کہتے تو مجھے بالکل حیرت نہ ہوتی، لیکن تمہارے منہ سے یہ بات سن کر میرا دل بالکل ٹوٹ گیا ہے سلیم۔" وہ گہری سانس بھر کر بولی۔
"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے نینا... کچھ اور ٹوٹا ہوگا... دل تو تمہارے پاس ہے ہی نہیں... جو چیز ہے ہی نہیں وہ ٹوٹ کیسے سکتی ہے۔" سلیم ابھی بھی خفگی جتانے کی کوشش میں مصروف تھا۔
"یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہو تم... واقعی کچھ اور ٹوٹا ہوگا... تم سے بہتر کون جانتا ہے کہ میں ایک دل لیس انسان ہوں۔" سلیم نے اس کی جانب دیکھا... سلیم چند لمحے کچھ نہیں بولا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے دیر بھی ہورہی ہے اور پھر اتنی صبح دکان خالی چھوڑ کر اس طرح چبوترے پر آبیٹھنا کوئی مناسب حرکت نہیں تھی۔
"تم مجھ سے کیوں ناراض ہو؟" وہ ایک دم سے اس کی جانب مڑ کر پوچھنے لگا تھا نینا نے گہری سانس بھری۔
"میں ناراض نہیں ہوں سلیم۔" اس کے علاوہ وہ کیا کہہ سکتی تھی۔
"تو پھر اس طرح کیوں کررہی ہو میرے ساتھ... دو دن سے تم نے اپنی شکل نہیں دکھائی... منہ بنا کر چھپ کر کیوں بیٹھی ہوئی ہو۔" وہ سخت ناراضی بھرے لہجے میں بولا تھا۔ نینا چپ رہی۔
"دیکھو نینا... اس ساری کہانی میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے تم دل میں چھپا کر رکھو... یا اس پر جلتی کڑھتی رہو... ایک بات تھی... میں نے تمہیں کہہ دی اور سچ بتانا کہ کیا تمہارے لیے یہ بات کوئی انکشاف تھی...؟ کیا تم یہ سب پہلے سے جانتی نہیں تھیں...؟" نینا کی آنکھیں پھر خوامخواہ بھیگنے لگیں۔ اس نے پلکیں جھپکی تھیں۔
"مجھے افسوس ہے سلیم... لیکن میں..." وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ سلیم کے چہرے پر برہمی کے تاثرات بڑھے تھے۔
"اب بس بھی کرو... بہت ہوگیا یہ افسوس تعزیت اور پرسہ... کچھ چیزیں میرے جنازے پر کرنے کے لیے بھی بچائی ہیں یا نہیں؟" نینا نے اس کی جانب دیکھا تو سلیم کو اندازہ ہوا کہ اس کی آنکھوں کے کناروں پر کہیں ہلکی سی نمی چمک رہی تھی۔ اسے ہنسی آگئی۔ نینا چند لمحے اسے گھور کر دیکھتی رہی پھر وہ بھی ہنسی تھی۔
"بہت برے ہو تم سلیم... ہوش سنبھالنے کے بعد سے میں کسی کے سامنے کبھی نہیں روئی، لیکن تم نے مجھے رلادیا۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔
"آج تو رولیا میرے سامنے، لیکن دیکھو دوبارہ کبھی نہ رونا... میں بہت ہی کمزور انسان ہوں اور آنسو بے شک وزن میں بے حد ہلکے ہوتے ہیں، لیکن ان کا بوجھ بہت زیادہ ہوتا ہے اور یہ بوجھ ہر کوئی برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے رونا صرف اللہ کے سامنے کرو کیونکہ صرف اللہ ہی ہے جو آنسوؤں کا بوجھ سنبھال سکتا ہے۔" وہ سادہ سے لہجے میں نصیحت کررہا تھا۔ نینا نے اپنے ہاتھ بڑھا کر وہ لفافہ اٹھایا تھا جس میں چپس اور جوس وغیرہ موجود تھے پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔
"جی اچھا... آپ کے اس نصیحت نما مشورے کا شکریہ... کوشش کروں گی کہ یاد رہ جائے۔" وہ ہمیشہ کی طرح اس کی چیزوں کے لیے شکریہ ادا کیے بنا آگے بڑھی تھی۔ سلیم نے بھی اپنی بیساکھی اٹھائی تھی۔ پھر جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ اس نے عقب سے اسے پھر آواز دی تھی۔

"اے نینا... سنو۔" وہ رکی تھی پھراس نے مڑ کر استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔
"جی فرمایئے۔"
"آئی لویو۔" سلیم نے کہا تھا۔ نینا کی ناک پھول گئی اور پیشانی پر مصنوعی خفگی کی تیوریاں نمودار ہوئی تھیں۔
"اونہہ... دفع دور۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔ سلیم نے قہقہہ لگایا۔ نینا آگے بڑھ گئی تھی۔ سلیم بھی اٹھا اور دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا دکان کی جانب بڑھا تھا اور ساتھ ہی کھڑکی کی اوٹ میں کھڑا وہ وجود بھی ہٹ گیا تھا جو ان دونوں کو کافی دیر سے ناگواری سے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا تمہاری بیوی مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے؟" حبیبہ نے اٹھلا کر سوال کیا تھا۔ کاشف اپنے گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کے انداز میں عجلت تھی جسے حبیبہ نے بطور خاص محسوس کیا تھا۔ وہ احساس زیاں کی سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑی تھی۔ اپنا سب کچھ دے کر بھی وہ کاشف کو مکمل طور پر تو حاصل نہیں کر پائی تھی۔
کاشف نے اس کے انداز کو بغور دیکھا۔ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"کیا میری بیوی خوب صورت ہے؟" اس نے اس کی جانب دیکھ کر سوال کیا پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔
"واقعی...؟" اس کے انداز میں تحقیر و تضحیک کی آمیزش تھی۔ حبیبہ کھلکھلائی۔ اسے اطمینان ہوا تھا۔ کاشف بے شک اسے چھوڑ کر جا رہا تھا لیکن وہ دل سے اپنی بیوی کا نہیں تھا اور یہ امر اسے خوش کرنے کو کافی تھا۔
"تم بہت خوب صورت ہو حبیبہ... تمہارے جیسی کوئی اور اللہ نے بنائی ہی نہیں ہے۔" کاشف نے اس کے بے داغ چہرے کی نرمی کو اپنی انگلی کے لمس سے پوری طرح محسوس کرتے ہوئے اسے مزید خوش کیا تھا اور پھر وہ اٹھ کر آئینے کی جانب بڑھا تھا۔ حبیبہ اس کی پشت کو دیکھتی ہوئی مغرور سے انداز میں مسکرائی۔ حبیبہ کو کسی نے پہلی دفعہ نہیں سراہا تھا، لیکن کاشف کا سراہنا اور تعریف کرنا اسے پاگل سا کر دیتا تھا۔ کاشف کوئی عام مرد نہیں تھا۔ وہ ایک خوب صورت اور خوش حال مرد تھا، جس کو گفتگو کا سلیقہ تھا، جسے اچھا کپڑا پہننے اور اچھی خوشبو کے استعمال کا، صحیح صحیح ادراک تھا۔ اس کا ساتھ اور اس کا نام کسی بھی عورت کی خوش قسمتی کو چار چاند لگا سکتا تھا۔ سب سے اہم بات تو یہ تھی کہ یہ کاشف اس کے دل میں بستا تھا اور دل میں بسنے والا مرد جب عورت کی حسن و خوبصورتی کو سراہتا ہے، اس کی تعریف کرتا ہے تو عورت ہواؤں میں اڑنے لگتی ہے اور باقی دنیا اور دنیا داری جیسے اس کے جوتے کی نوک پر آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔
"تم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے نا کاشف۔" اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں نظر آتے اس کے سراپے کو ایک ٹک دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ مرد کی محبت میں مبتلا ہر عورت کو یہ خدشہ زندگی کے کسی نہ کسی مقام پر ستاتا ضرور ہے۔ اس نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا پھر مسکرایا۔
"تم چھوڑ دینے والی چیز ہو؟" حبیبہ نے نزاکت سے گردن ہلائی۔ اسے اس جواب نے مطمئن نہیں کیا تھا۔
"سوال در سوال کیوں کرتے ہو... صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھے چھوڑ نہیں سکتے... یہ تمہارے بس کی بات ہی نہیں ہے۔"
کاشف دوبارہ سے پلنگ پر بیٹھ کر اب موزے پہن رہا تھا۔ اسے اپنے گھر جانا تھا جہاں اس کی بیٹی تھی اور ماں بھی۔ مرد کی گھر والیاں جگہ جگہ ہو سکتی ہیں مگر گھر اس کا ایک ہی ہوتا ہے جہاں اس کی اولاد ہوتی ہے۔ کاشف کو

بھی گناہ میں لت پت ہو جانے کے بعد گھر یاد آیا تھا جہاں اس کی اولاد تھی اور ایک عدد منکوحہ بھی جن کے تمام حقوق اس کے نام تھے اور حقوق العباد کی سب سے بڑی خلاف ورزی' زنا ہے۔

"یہی سمجھ لو۔" وہ اسی عجلت بھرے انداز میں بولا تھا۔ حبیبہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے قریب آبیٹھی۔ وہ فی الوقت اسی بات سے بہت خوش تھی کہ اس کے کمرے میں موجود اس وجیہہ شخص کو بھی اس سے محبت ہے۔ وہ محبت کے ہاتھوں اتنا لاچار تھی کہ لٹ پٹ کر بھی کسی افسوس میں مبتلا نہیں تھی۔ وہ یہ بات سمجھ ہی نہیں پائی تھی کہ ان دونوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں تھا اور جہاں مرد عورت کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہوتا وہاں کوئی استحقاق نہیں ہوتا' کوئی رتبہ نہیں ہوتا' کوئی مقام نہیں ہوتا' کوئی عزت نہیں ہوتی۔

"یہی سمجھتی ہوں بلکہ سمجھتی ہی نہیں ہوں..... مجھے اس بات کا یقین ہے کہ تم مجھے چھوڑ نہیں سکتے..... اتنی ہمت ہے ہی نہیں تم میں۔" وہ استحقاق بھرے انداز میں بولی تھی۔ کاشف موزے پہن چکا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے وہ مصنوعی سے انداز میں مسکرایا اور اس کے چہرے کو سہلانے کی فارمیلٹی پوری کرنے کے لیے اپنا ہاتھ اس کے گال پر رکھا تھا۔ اس کے لیے حبیبہ کے ناز و ادا فی الوقت بے کار تھے جبکہ حبیبہ ابھی بھی محبت کے اس سنپولیے کو گود میں لیے بیٹھی جس کا احساس کاشف نے اسے دلایا تھا۔ اس کے ہر جانب محبت ہی محبت تھی اور وہ اس اندھی محبت کے ساتویں آسمان پر پہنچنے کے قریب ہی تھی کہ گاڑی کے ہارن کی تیز آواز نے جیسے سارا طلسم توڑ ڈالا۔ اس کے چہرے کو سہلاتا کاشف کا ہاتھ رکا تھا۔

"اس وقت کون آسکتا ہے؟" اس نے حیرانی سے سوال کیا تھا۔ حبیبہ نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ کاشف بعجلت اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی کا پردہ اٹھا کر باہر جھانک کر دیکھا۔ بارش کی بوندوں نے شیشے کو دھندلا دیا تھا۔ اس نے بغور دیکھا اور پھر یک دم پردہ چھوڑ کر پیچھے ہوا۔ اسے اپنی گاڑی کو پہچاننے میں اب کی بار دقت نہیں ہوئی تھی۔ اس دوران ہارن کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"کون ہے؟" حبیبہ نے اس کے محتاط انداز پر حیرانی سے دیکھا۔
"میری گاڑی ہے۔ کیا صوفیہ اور بی بی جان تم سے ملنے آنے والی تھیں؟" وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔
"ہاں۔ شاید۔ پتا نہیں۔ کیوں۔ کیا وہ آئی ہیں؟" حبیبہ نے اپنی ناپسندیدگی چھپائی تھی۔ اسے کاشف کا انداز برا لگا۔ جب عورت اپنی کشتیاں جلا کر میدان میں اترتی ہے تو اسے سامنے کھڑے حریف کی پشت پر موجود کشتیاں بھی زہر لگ رہی ہوتی ہیں۔ وہ کاشف کے لیے سارے خاندان کو چھوڑنے کو تیار تھی جبکہ وہ اپنی بوڑھی ماں اور عام سی بیوی بیٹی کو دیکھ کر اسے چھوڑنے کی کوشش میں تھا۔ وہ بھی کھڑکی کے قریب آئی اور ذرا سا پردہ سرکا کر نیچے کی سمت دیکھا اسے صرف گاڑی ہی نظر آئی تھی۔ گاڑی کے اندر کون کون تھا اتنی دور سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہی تھا۔
"یہ اس وقت یہاں کیا کرنے آئی ہیں؟" کاشف نے پھر اس سے پوچھا تھا۔ حبیبہ نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا پھر کاشف کی گھبراہٹ کو محسوس کر کے اس کے چہرے کے تاثرات بگڑے تھے۔
"تم اپنی گاڑی کو دیکھ کر اتنا گھبرا کیوں رہے ہو۔" وہ کھڑکی سے پیچھے ہٹ گئی تھی۔ ہارن دوبارہ بجایا گیا تھا۔ حبیبہ کو کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اس کے گھر کے دونوں کل وقتی ملازم چھٹی پر تھے۔ وہ دروازہ کھولتی تو ہی دروازہ کھلنا تھا۔
"عجیب بات کر رہی ہو تم۔ گاڑی میں صوفیہ بھی ہو سکتی ہے۔" وہ مسلسل کھڑکی کی جھری سے نیچے دیکھنے میں مصروف تھا۔ ہارن بجانے پر جب دروازہ نہیں کھولا گیا تو ڈرائیور گاڑی سے نکل کر گیٹ کی طرف آ گیا تھا۔
"تو۔؟" صوفیہ نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ کاشف نے چڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ مل کر مسئلہ کا حل ڈھونڈنے کی بجائے بستر پر دراز ہو گئی تھی۔



"تو۔؟" کاشف نے دہرایا پھر ناک پھلا کر بولا۔
"وہ بیوی ہے میری۔ کچا کھا جائے گی مجھے۔"
"مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تمہاری بیوی ایک چڑیل ہے۔ آدم خور چڑیل۔" حبیبہ ابھی بھی اسی انداز میں بولی تھی۔ اسے کوئی پروا نہیں تھی اور یہی بات کاشف کو غصہ دلا رہی تھی۔ اب کی بار وہ خاموش رہا تھا۔ حبیبہ اس کی خاموشی سے شہہ پا کر بولی۔
"ریلیکس کاشف۔ دروازہ نہیں کھلے گا تو وہ خود بخود واپس چلی جائیں گی۔" کاشف ابھی بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کی ساری توجہ کھڑکی سے نظر آنے والے منظر پر تھی۔ اس کا ڈرائیور گیٹ سے اندر جھانک کر دیکھنے میں مصروف تھا۔

✡ ✡ ✡

"کس سوچ میں گم ہیں۔" ایک ٹرے ان کے سامنے رکھتے ہوئے ان کی شریک حیات نے مسکراتے ہوئے سوال کیا تھا۔ سامنے ٹی وی چل رہا تھا' لیکن ان کی توجہ کسی طرف نہیں تھی۔ وہ واقعی گہری سوچ میں گم تھے۔ سوال پر چونکے گہری سانس بھرتے ہوئے ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔
"جب اولاد جوان ہو جائے حلیمہ۔ بالخصوص بیٹیاں بڑی ہو جائیں تو باپ سوچوں میں ہی گم رہا کرتے ہیں۔" ان کا انداز سپاٹ' لیکن چہرہ ابھی بھی سوچ کی پرچھائیوں تلے دبا پڑا تھا۔ حلیمہ کے لیے ان کے یہ تاثرات نئے نہیں تھے۔ وہ شوہر کی ہر رمز سے واقف تھیں۔ انہیں جب کوئی بات بہت ہی زیادہ بری لگتی تھی تو انداز اور تاثرات بالکل اسی طرح سپاٹ اور لاتعلق ہو جایا کرتے تھے۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔" ان کی جانب کیک رس کی پلیٹ بڑھاتے ہوئے ان کی اہلیہ نے فوراً "ہاں میں ہاں ملائی۔ حلیمہ ایک عجیب عورت تھیں۔ انہوں نے شاید ہی کبھی ان کی کسی بات کی تردید کی تھی۔ وہ جب بھی کبھی کوئی بات کہتے تھے، کرتے تھے یا کوئی فیصلہ کرتے تھے تو حلیمہ بلاچوں چراں کے مان لینے کی عادی تھیں اور اس کا کریڈٹ وہ ہمیشہ خود کو دیتے تھے۔ انہوں نے زندگی بھر نیک نیتی سے اپنی ذمہ داریاں نبھائی تھیں۔ بیوی اور بچیوں کو ہمیشہ وہ سب دیا تھا جن کی انہیں ضرورت تھی۔ وہ اپنی خود کی نظر میں ایک بہترین ذمہ دار شوہر تھے۔

"تم نے کیا سوچا ہے زری اور نینا کے لیے۔۔۔ کوئی رشتے وغیرہ ہیں نظر میں؟" انہوں نے کیک رس کھانے کے بجائے چائے کی پیالی کے ساسر میں رکھا تھا۔ حلیمہ مسکرائیں اور حیران بھی ہوئیں۔

"یہ آج صبح صبح کون سی سوچیں بے حال کرنے لگیں آپ کو۔"

"بے حال تو واقعی ہو رہا ہوں۔۔۔ بیٹا تو دیا نہیں اللہ نے کہ ذمہ داریاں بانٹ لیتا۔۔۔ اب جو کچھ کرنا ہے بیٹیوں کے لیے مجھے ہی کرنا ہے۔" وہ سوچوں میں غرق تھے۔ حلیمہ کے چہرے پر بھی تفکر کا جال سا بچھنے لگا۔ ان کے لیے ازدواجی زندگی کی پہلی اور اہم شرط شوہر کی فرماں برداری تھی۔ اندھے اعتقاد والے لوگ جس طرح اخبار میں "آج کا دن کیسا گزرے گا" والا صفحہ دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں وہ اس طرح اپنے شوہر کی پیشانی دیکھا کرتی تھیں۔ وہ خوش ہوتے تھے تو یہ بھی خوش رہا کرتی تھیں اور اگر کبھی وہ پریشان اداس یا متفکر نظر آتے تو ان کا دن بھی اسی طرح گزرا کرتا تھا۔ اب بھی شوہر کو مسلسل ایک ہی سوچ میں گم دیکھ کر ان کو بھی بے اطمینانی نے گھیر لیا تھا۔ دل جیسے بالکل بجھ سا گیا تھا۔

"میں بڑی ہی بدقسمت ہوں۔۔۔ آپ کو بیٹے کی خوشی بھی نہ دے سکی۔" وہ اسی بجھے ہوئے انداز میں بولی تھیں۔

"یہ سب تو اللہ کے کام ہیں حلیمہ۔۔۔ اس نے بیٹا نہیں دیا۔۔۔ اس کی مرضی۔۔۔ میں اپنی بیٹیوں سے بھی خوش ہوں۔۔۔ یہ تو اللہ کی رحمت ہیں۔۔۔ اللہ جن انسانوں کو اہل سمجھتا ہے انہیں ہی اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔۔۔ تم دل چھوٹا کیوں کرتی ہو۔" وہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دے رہے تھے۔ حلیمہ کا دل شوہر کے اس رویے پر اس قدر مشکور ہوا کہ آنکھیں بھر آئیں۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں۔۔۔ فرشتہ صفت۔۔۔ میرے ماں باپ کی کوئی نیکی ہی تھی جو میرے کام آگئی ورنہ مرد تو بیٹا نہ ہونے پر دوسری شادیاں کرلیتے ہیں، لیکن آپ نے ایسا کبھی سوچا بھی نہیں۔" وہ احسان مند ہوئی جا رہی تھیں۔

"حلیمہ تمہیں تو بس شوہر کی تعریف کا موقع دے اللہ۔۔۔ تم زمین آسمان کے قلابے ملانے لگتی ہو۔" وہ انہیں چڑانے لگے تھے۔ حلیمہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائیں۔

"کیوں نہ کروں تعریف۔۔۔ آپ ہیں ہی اتنے اچھے۔۔۔ نہ صرف ایک اچھے شوہر بلکہ ایک بہترین باپ۔۔۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے آپ جیسا جیون ساتھی دیا۔۔۔ میں تو جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔" حلیمہ ایک بار پھر ان کی تعریف میں رطب اللسان ہوئی تھیں۔ ان کا سینہ بھی احساس تفخر سے پھولنے لگا۔ وہ واقعی خود کو ایک بہترین شوہر اور باپ سمجھتے تھے۔ انہوں نے بیٹیوں کی آمد پر بھی اللہ کا شکر ادا کیا تھا اور کبھی اپنی اہلیہ کو بیٹا نہ ہونے کا طعنہ نہیں دیا تھا۔ وہ بیٹیوں سے ناخوش بھی نہیں ہوتے تھے، لیکن نینا کی خود سری انہیں پریشان کرنے لگی تھی۔ وہ بدزبان بھی تھی اور بدمزاج بھی۔۔۔ اس کے علاوہ اس کی طبیعت میں ضد اور ہٹ دھرمی کا عنصر بھی بہت زیادہ تھا۔

"اچھا باپ ہوں یا نہیں یہ تو تب ثابت ہوگا نا جب بیٹیوں کی ذمہ داری سے فراغت ملے گی۔۔۔ ابھی تو ان کے مستقبل کی سوچ پریشان رکھتی ہے۔" وہ وہ اپنی پریشانی کی وجہ بتانے پر تیار ہو ہی گئے تھے۔ حلیمہ نے سر ہلا کر تائید تو

لی تھیں ساتھ ہی انہیں کسی بھی دینی چاہی تھی۔
"اللہ نے بیٹیوں کو جب اتنا بڑا کرنے میں مدد کی ہے تو آئندہ بھی وہی کوئی سبب بنائے گا ان شاء اللہ۔۔۔ آپ اتنا بھی مت سوچیں۔۔۔ اللہ خود ہی کوئی سبیل بنا دے گا۔"
"ان شاء اللہ۔۔۔ زری کی مجھے اتنی فکر نہیں ہے۔۔۔ وہ بہت سمجھ دار ہے۔۔۔ اچھا برا سمجھتی ہے۔۔۔ سارا مسئلہ نینا کا ہے۔۔۔ وہ نا صرف ضدی ہے بلکہ اپنی مرضی کرتی ہے ہر معاملے میں۔۔۔ جس نے جو کہہ دیا اس کے پیچھے لگ جاتی ہے۔۔۔ اسے اپنے اچھے برے کی پہچان نہیں ہے۔۔۔ اس کی بہت فکر رہتی ہے مجھے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔
"نینا کی وجہ سے تو میں بھی بہت پریشان رہتی ہوں۔۔۔ بہت منہ پھٹ ہو گئی ہے۔۔۔ بہت زبان درازی کرنے لگی ہے۔" حلیمہ نے بھی فوراً "ہاں میں ہاں ملائی۔
"سنو۔۔۔ کیا اس نے کبھی تم سے کچھ کہا۔۔۔ کسی میں دلچسپی ہے اس کی۔۔۔ میرا مطلب۔۔۔" وہ جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئے تھے۔ حلیمہ نے ناگواری سے سر ہلایا اور فوراً" تردید کی۔
"نہیں۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ ضدی ہے میری بیٹی لیکن اس قسم کی بھی نہیں ہے۔"
"وہ تو میں بھی جانتا ہوں۔۔۔ لیکن میں نے سوچا شاید۔۔۔ لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہے تو۔۔۔ شاید کہیں کچھ۔۔۔" وہ ایک بار پھر خاموش رہے تھے۔ انہیں مناسب الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔ انسان بھی بہت ہی عجیب چیز ہے۔ بعض اوقات دوسروں کی بیٹیوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے جو الفاظ اور انداز بنا کسی جھجک کے استعمال کرلیتا ہے، وہی الفاظ اور انداز اپنی بیٹیوں کے لیے نامناسب لگنے لگتے ہیں۔ حلیمہ نے سابقہ انداز میں سختی سے گردن ہلائی تھی۔
"نہیں۔۔۔ آپ جیسا سوچ رہے ہیں، ایسا کچھ نہیں ہے اور یہ بات میں اپنی بیٹی کے بارے میں حلفیہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ ایسی کسی الٹی سیدھی سرگرمی میں ملوث نہیں ہے۔۔۔ آپ کو بھی اپنی تربیت پر بھروسہ ہونا چاہیے۔" وہ بھی کچھ کہتے کہتے چپ سے ہوئے پھر ٹھنڈی ہوتی ہوئی چائے کا سپ بھرا تھا۔ ان کا دل ابھی بھی اسی منظر میں اٹکا تھا جو انہوں نے صبح صبح کمرے کی کھڑکی سے دیکھا تھا۔
"سلیم کے ساتھ کافی بے تکلفی ہے اس کی۔۔۔" انہوں نے ان کے بھانجے کا نام لے ہی لیا تھا، لیکن اس انداز میں کہ حلیمہ کو محسوس بھی نہ ہو۔
"ہاں جی۔۔۔ دراصل اس کا بچپن گزرا ہے ان سب کے ساتھ۔۔۔ وہ سب اسے بہن سمجھتے ہیں۔" حلیمہ نے لفظ "بہن" پر زور دیتے ہوئے تسلی دینے والے انداز میں کہا تھا۔ ان کو یہ اندازہ تو ہو ہی چلا تھا کہ ان کے مجازی خدا کسی غلط فہمی کا شکار ہیں اور یہ بات ان کو اب جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے لگی تھی۔ اپنی ہی اولاد کی بار بار صفائی دینا انہیں برا لگ رہا تھا جبکہ ان کی خاموشی سے ان کے شوہر کو مزید شہہ ملی تھی۔
"عجیب باتیں کرتی ہو حلیمہ۔۔۔ سمجھنے میں اور ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔۔۔ رشتے کہہ دینے سے بدل نہیں جاتے۔۔۔ معشوقہ کو محبوبہ کہو تو وہ حلال نہیں ہو جاتی۔۔۔ نینا ان کی بہن نہیں ہے۔۔۔ نا ہی وہ اس کے بھائی ہیں۔۔۔ تم نینا کو بولو کہ سلیم سے دور رہا کرے۔۔۔ مجھے وہ لڑکا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔۔۔ عجیب بے ہودہ سا لڑکا ہے۔۔۔ سارا دن محلے کی عورتوں سے ٹھٹھے لگاتا رہتا ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بول رہے تھے۔ حلیمہ کا چہرہ بالکل بجھ گیا تھا، لیکن پھر بھی وہ کچھ نہیں بولی تھیں۔
"مجھے نینا سے شکایت نہیں ہے۔۔۔ وہ تو بچی ہے۔۔۔ لیکن سلیم دکان پر بیٹھ بیٹھ کر بہت شاطر ہو گیا ہے۔۔۔ تم نے کبھی اس کے دیکھنے کے انداز پر غور کیا ہے۔۔۔ ہر عورت کو ایسے گھورتا ہے جیسے نگل لے گا۔۔۔ وہ ایک بد فطرت

انسان ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولے تھے۔ حلیمہ کو اس بات پر سخت اعتراض ہوا۔ وہ اپنے بھانجوں کی طبیعت سے واقف تھیں، لیکن صفائی دینا اور شوہر کو کسی غلط بات پر ٹوکنا ان کے نزدیک سخت بے ادبی تھی۔ اس لیے وہ چپ کی چپ رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"بی بی جان! کوئی دروازہ نہیں کھولتا... لگتا ہے گھر میں کوئی نہیں ہے۔" ڈرائیور نے گیٹ سے گاڑی کی جانب آکر منہ بناتے ہوئے اطلاع دی تھی۔ صوفیہ نے جتاتی ہوئی نظروں سے ساس کو دیکھا جو خود بے زار ہوئی بیٹھی تھیں۔ وہ تو گھر سے بہت نیک نیت لے کر نکلی تھیں کہ ایک بیوہ عورت کی عدت ختم ہوئی ہے۔ اس کی دل جوئی کریں گی، اسے اپنی اپنائیت اور محبت کا احساس دلائیں گی اور سمجھائیں گی کہ ان کے گھر کے دروازے اس کے لیے کبھی بند نہیں ہوں گے، لیکن ساری پلاننگ ناکام ہو گئی تھی۔ نیک دل عورت تھیں۔ نیکی کرنے کا خیال ہی ان کے لیے خوش کن ثابت ہوا کرتا تھا۔ گھر سے خوش باش نکلی تھیں۔ راستے میں بارش کی بنا پر ٹریفک کا خوب ازدحام رہا تھا۔ آدھ پون گھنٹہ کا راستہ ختم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔ دوسری جانب صوفیہ کی طنزیہ شکل دیکھ دیکھ کر وہ پہلے ہی افسوس میں مبتلا ہوئی جا رہی تھیں اور اب حبیبہ کی غیر موجودگی کی اطلاع نے مزید اکتا دیا تھا۔ گھنٹہ بھر کی ڈرائیو لاحاصل ثابت ہوئی تھی۔

"ارے بیٹا... تین چار بار بجاؤ نا گھنٹی..." وہ افسوس بھرے انداز میں بولی تھیں۔

"بی بی جان گھنٹی میں پانی پڑ گیا ہے بارش کا... کرنٹ آرہا ہے... میں نے دروازہ بجایا ہے، لیکن..." بی بی جان نے اس کی بات کاٹی۔

"ارے میاں تو زور سے بجاؤ نا... اندر کمروں میں آواز نہیں جاتی اس کی... وہ بیوہ عورت ہیں... بند کمرے میں کہیں پڑی ہوں گی... کیا پتا نماز قرآن میں مصروف ہوں... ان کو کہاں جانا ہے... گھر میں ہی ہوں گی... اتنی بارش میں بھلا نکلتا ہے کوئی گھر سے۔" انہوں نے اصرار کیا تھا۔ ڈرائیور سر ہلا کر دوبارہ گیٹ کی جانب چلا گیا تھا۔ وہ جانتی تھیں دوبارہ ان سے آیا نا جائے گا اس لیے چاہتی تھیں کہ یہ چکر ضائع نہ ہو۔ صوفیہ نے تاسف بھرے انداز میں انہیں دیکھا۔ حبیبہ کی غیر موجودگی کا سن کر ویسے ہی اس کے وجود میں الارم بجنا شروع ہو گئے تھے۔

"بی بی جان ہر بیوہ عورت نماز قرآن ہی نہیں پڑھتی رہتی... اس کی اور بھی مصروفیات ہوتی ہیں... اور آپ کب تک حبیبہ کو اس ایک بات کی بنا پر رعایت دیتی رہیں گی... وہ کوئی عام سی عورت نہیں ہے... ایک آزاد خود مختار عورت ہے... وہ واقعی گھر میں نہیں ہو گی... اس موسم میں نکل گئی ہو گی کہیں آوارہ گردی کرنے... میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ کاشف کی گاڑی کو دیکھا تھا میں نے... آپ کا بیٹا سیر سپاٹا کروانے لے گیا ہو گا بے چاری کو۔" صوفیہ نک چڑھے انداز میں بولی۔ بی بی جان نے اس کی جانب دیکھا نا اس کی بات کا جواب دیا۔ وہ بحث برائے بحث کی قائل نہیں تھیں اور پھر ایک ڈیڑھ سال میں وہ جان گئی تھیں کہ بہو کی جتنی تربیت وہ کر سکتی تھیں، کرلی۔ اب باقی وہ اپنے ذاتی تجربات سے سیکھے گی۔ چند منٹ میں ہی ڈرائیور نفی میں سر ہلاتا ہوا واپس آگیا تھا۔ بی بی جان کو بہت مایوسی ہوئی، لیکن انہوں نے ڈرائیور کو گھر کی طرف موڑنے کا کہہ دیا تھا۔ اس نے گاڑی ریورس کی۔ گاڑی ذیلی سڑک پر ڈالی اور چند لمحوں میں بڑی سڑک پر آگیا۔

"گاڑی کھڑی ہے اندر... مگر لگتا ہے گھر میں کوئی نہیں ہے۔" ڈرائیور نے عام سے انداز میں کہا تھا۔

"کس رنگ کی گاڑی کھڑی تھی اندر؟" اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ عام طور پر وہ گھر کے مرد ملازمین کو براہ راست کم ہی مخاطب کرتی تھی، لیکن اس وقت اس سے رہا نہیں گیا تھا۔

"سیاہ رنگ کی تھی جی۔" صوفیہ نے سرہلایا پھر اس نے جتاتی ہوئی نظروں سے بی بی جان کی جانب دیکھا' لیکن وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر اکتاہٹ تھی۔ اس کا اپنا دل جل کر خاک ہوا جا رہا تھا۔
"اے لو۔۔۔ انسان دِکھا نہیں تمہیں کوئی۔۔۔ گاڑی دِکھ گئی۔" وہ ڈرائیور کی بات پر غور کیے بنا اسے ڈپٹ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"تم لوگوں کو گھر سے جانا ہوتا ہے تو میری واپسی سے پہلے ہو آیا کرو۔۔۔ لیکن میں گھر آؤں تو مجھے گھر ملا کرو ورنہ میرا دل بے چین ہونے لگتا ہے۔۔۔ میں گھر آتے ہی سب سے پہلے تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔" کاشف نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے لاڈ بھرے لہجے میں کہا تھا۔ وہ جب گھر پہنچا تو اس کی توقعات کے برعکس بی بی جان اور صوفیہ ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ اسی لیے اس نے آرام سے یہ تاثر دیا تھا کہ وہ تو کب سے گھر پر موجود ان کا انتظار کر رہا تھا۔ بیڈ روم میں پہنچتے ہی اس کا انداز کافی والہانہ ہو گیا تھا کہ صوفیہ کو بھی شکوے شکایتیں بھول گئیں۔
"میں بھی کب جانا چاہ رہی تھی۔۔۔ لیکن بی بی جان نے اصرار کیا تھا۔۔۔ وہ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔۔۔ حبیبہ کی عدت ختم ہوئی ہے تو وہ اس سے ملنا چاہتی تھیں' لیکن وہ محترمہ تو گھر پر تھیں ہی نہیں۔" صوفیہ نے بات کا آغاز سادہ سے انداز میں کیا تھا۔
"تم لوگوں کو فون کر کے جانا چاہیے تھا نا۔۔۔ وہ بہت عجیب طرح کی عورت ہے۔۔۔ چوبیس گھنٹوں میں سے بیس گھنٹے تو وہ آوارہ گردی میں گزارتی ہے۔۔۔ اور اب تو صورت حال ہی تبدیل ہو چکی ہے۔۔۔ وہ پہلے بھی گھر پر کم ہی ٹکتی تھی اب تو خیر سے مجید بھی نہیں رہا۔۔۔ اب کون پابند کر سکتا ہے اس کو گھر کی چار دیواری میں رہنے کے لیے۔۔۔" کاشف نے سرہانا درست کر کے اپنی نشست کو آرام دہ بنایا تھا۔ صوفیہ کو اس کے منہ سے یہ جملہ سن کر بے حد حیرت ہوئی۔
"آج سورج کدھر سے نکلا تھا۔۔۔ آج تو کاشف صاحب اپنی پسندیدہ ترین ہستی کی خامیاں گنوا رہے ہیں۔" وہ اپنے دل کی خوشی چھپاتے ہوئے مزاحیہ سے انداز میں بولی تھی۔
"نہیں بھئی۔۔۔ خامیاں نہیں گنوا رہا۔۔۔ ہر انسان کا اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے۔۔۔ وہ اپنے شوہر کی زندگی میں بھی ایسی ہی تھی۔۔۔ آزاد منش۔۔۔ آوارہ گرد۔" وہ انتہائی تضحیک آمیز انداز میں بولا تھا۔ حبیبہ کی برائی صوفیہ کے مزاج کو بے حد شاش کر دیتی تھی' لیکن اسے حیرت بھی ہو رہی تھی' مگر اس نے اس کے متعلق سوال نہیں کیا تھا۔
"آپ کی گاڑی کہاں تھی شام کو۔۔۔؟" اس نے لہجے کو سرسری بناتے ہوئے سوال کیا تھا۔ کمرے کا ماحول بے حد خوش گوار تھا وہ شوہر پر شک کر کے اسے خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے بلاوجہ جھگڑا کرنے کی عادت بھی نہیں تھی' لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ان کے درمیان جھگڑے کی بنیادی وجہ شروع سے کاشف کی رنگین مزاجی رہی تھی جسے کاشف صوفیہ کی شکی طبیعت قرار دے کر چٹکیوں میں اڑا دیا کرتا تھا اور صوفیہ کے کسی قسم کے استفسار پر وہ غصے میں آجایا کرتا تھا اور چیخ چیخ کر بولنے لگتا تھا جس سے صوفیہ ڈر جایا کرتی تھی۔ کاشف اس کے ہر خدشے کو اتنی مہارت سے شک قرار دے دیتا تھا کہ بعض اوقات صوفیہ خود ہی سمجھنے لگتی تھی کہ شاید وہ اوور ری ایکٹ کرتی ہے۔ اس لیے اس نے گاڑی کے متعلق بھی عام سے انداز میں سوال کیا تھا۔
"حبیبہ کے گھر تھی۔۔۔ اسے کہیں جانا تھا تو اسی نے منگوائی تھی بمع ڈرائیور کے۔" کاشف نے سوچا سمجھا جواب دیا تھا۔
"اور آپ خود کہاں تھے۔۔۔ کس کے ساتھ وقت گزارتے رہے۔" وہ ابھی بھی تحمل سے بولی تھی۔ کاشف نے

اس کے چہرے کی طرف دیکھا پھر وہ مسکرایا تھا۔

"میں حبیبہ کے ساتھ رہا سارا دن۔۔۔ پہلے اس کے ساتھ ناشتا کیا۔۔۔ اس کے ہاتھ کی بنی چائے پی۔۔۔ پھر سارا وقت اس کے ساتھ محبت جتاتا رہا تاکہ وہ اپنے شوہر کو یاد کر کے اداس نہ ہو۔۔۔ پھر اسے شاپنگ پر لے گیا۔۔۔ اس کی پسندیدہ جگہ سے لنچ کروایا پھر اسے گھر ڈراپ کیا میں گھر واپس آنا چاہتا تھا، لیکن اس نے مجھے روک لیا۔۔۔ اسے اکیلے ڈر لگ رہا تھا۔۔۔ اس کی خاطر میں نے اس کو گود میں لے کر اس کا کندھا تھپتھپا کر اسے سلایا اور پھر گھر واپس آگیا۔" کاشف نے نہایت اطمینان سے صوفیہ کی گود میں سر رکھا اور اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا اور آنکھیں بند کر کے اسے سارا دن کی روئیداد سنائی تھی۔ صوفیہ ناسمجھی کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اسے بولنے کے لیے مزید لفظ ہی نہیں مل رہے تھے۔ کاشف نے یک دم آنکھیں کھولیں اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"یہی سب سوچتی رہتی ہو نا تم میرے بارے میں۔۔۔ ہے نا۔۔۔ بولو۔" وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کر رہا تھا۔

"یہ تو نہیں کہا میں نے۔" صوفیہ سنبھل کر بولی۔

"چہرہ دیکھو اپنا۔۔۔ اتنا شک مت کیا کرو بیگم۔۔۔ میں کئی دن سے اس کی طرف نہیں گیا۔۔۔ ہاں گاڑی ضرور بھیجتا ہوں بمع ڈرائیور کے۔۔۔ یہ تو میری ذمہ داری ہے یار۔۔۔ اس کے شوہر کا کتنا سرمایہ ہے میرے کاروبار میں۔۔۔ جبکہ تم سمجھتی ہو میں شاید رنگ رلیاں مناتا رہتا ہوں۔" وہ اسے شرمندہ کرنا چاہ رہا تھا اور کامیاب رہا تھا۔

"اف۔۔۔ یہ کب کہا میں نے۔۔۔ اب ایسے بھی ویلے نکمے نہیں ہیں آپ۔۔۔ اتنا تو جانتی ہوں میں۔" وہ گہری اطمینان بھری سانس لے کر بولی۔ یہ مشرقی عورت کی الٹی رمز ہے۔ شوہر اگر اپنے منہ سے اعتراف کر لے تو اسے جھوٹا سمجھا جاتا ہے اور صوفیہ کو اس کی ساری سچی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ اگر انکار کرتا تو صوفیہ کی نظر میں جھوٹا ٹھہرتا اور کاشف نے اسی لیے اطمینان سے اعتراف کر کے اسے گھما کر رکھ دیا تھا۔

"شکر ہے اتنا تو جان گئی ہو مجھے۔۔۔ دیکھو صوفیہ پلیز اب تم اپنے آپ کو ان فضول سوچوں سے نکال لو۔۔۔ میں واقعی اتنا فارغ نہیں ہوں۔۔۔ اتنا کام بڑھ گیا ہے۔۔۔ مجید کی وفات سے کام کا بہت بوجھ مجھ پر پڑ گیا ہے۔۔۔ بعض اوقات کھانا کھانے کے لیے دس منٹ کی فرصت بھی نکالنی محال ہو جاتی ہے۔۔۔ اس کے باوجود تم اگر یہ سمجھتی ہو نا کہ میں سارا دن غیر عورتوں کے ساتھ وقت گزارتا رہتا ہوں تو پلیز اپنے ذہن کو تھوڑا آرام دو۔۔۔ مجھے تمہارے اور زرمین کے علاوہ کسی دوسرے وجود میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ تم دونوں کے بعد اگر کوئی چیز میری توجہ اپنی جانب کھینچتی ہے تو وہ میرا بزنس ہے۔۔۔ جس کے لیے میں دن بھر خوار ہوتا ہوں۔۔۔ میں تم دونوں کو زندگی کی ہر خوشی دینا چاہتا ہوں۔۔۔ یہ سب جو میرے پاس ہے نا یہ میرے ابا کا کمایا ہوا ہے۔۔۔ میں اس میں اضافہ نہیں کروں گا تو میری اولاد کے پاس فخر کرنے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔۔۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات۔۔۔" وہ ابھی بھی اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ صوفیہ کو دل ہی دل میں خود پر غصہ آیا اور اپنی سوچ پر شرمندگی بھی ہوئی۔ اس کا شوہر سارا دن کتنی محنت سے کام کرتا تھا، خوار ہوتا تھا اور وہ اس پر شک کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔

"مجھے امید ہے آئندہ تم اس متعلق کوئی بات نہیں کرو گی۔۔۔ اور سنو دوبارہ حبیبہ کے گھر جانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ نہ تم وہاں جاؤ گی نہ زرمین کو لے جاؤ گی۔ مجید کے بعد اس عورت کے رنگ ڈھنگ بہت بدل گئے ہیں۔۔۔ بس طرح کے آدمیوں سے تو یارانے ہیں اس کے۔۔۔" کاشف نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے تو پہلے دن سے وہ عورت کبھی اچھی نہیں لگی۔۔۔ شوہر کی زندگی میں اس کے ناز و ادا قابو میں نہیں رہتے تھے اور اب تو شوہر بھی نہیں رہا۔" صوفیہ تسلی بھری سانس لیتے ہوئے بولی تھی۔ سب کچھ اس کے حق میں ہو ہی

گیا تھا۔
"اچھا چھوڑو اس بی گریڈ عورت کو.... یہ ذرا میرا سر دباؤ نا ذرا.... کسی سیانے نے یہ نہیں بتایا تمہیں کہ بیوی جب محبت سے شوہر کا سر دباتی ہے نا تو اس کے سارے دن کی تھکن اتر جاتی ہے.... "اس نے اس کا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا تھا۔ صوفیہ جی جان سے نہال ہوتے ہوئے اپنے فرشتہ صفت شوہر کی پیشانی کو سہلانے لگی تھی اور ساتھ ہی اس دن اس نے اپنے آپ سے تہیہ کیا تھا کہ وہ اپنی بلاوجہ شک کی عادت کو ترک کردے گی۔ دوسری طرف کاشف کو اس رات بہت اطمینان کی نیند آئی۔ اس کی بیوی بھی اس سے راضی ہو گئی تھی اور دل بہلانے کو ایک عدد خوب صورت محبوبہ بھی مکمل طور پر مٹھی میں تھی۔ اللہ کو راضی کرنے کا اس نے ابھی سوچا نہیں تھا۔ اس کے نزدیک یہ بڑھاپے میں کرنے والا کام تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کے گیلے بال ٹخنوں تک پھیلے تھے اور ٹاول سے کافی دیر جھاڑ لینے کے بعد بھی پانی کی ننھی بوندیں فرش پر ٹپک رہی تھیں۔ اس نے آئینے میں کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹ کر بائیں کندھے پر پھیلایا تھا اور پھر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے ان کو سہلانے لگی۔ پانی اس کی انگلیوں پر بھی چمکنے لگا، لیکن اسے اس عمل سے محبت تھی۔ وہ کچھ دیر بالوں کو اسی طرح سہلاتی رہی تاکہ نا صرف پانی نکل جائے بلکہ بغیر کنگھا کیے وہ سیدھے بھی ہو جائیں۔
اس کے بعد اس نے بالوں کو اسی طرح کندھے پر بکھرا رہنے دیا تھا۔ وہ اپنے بستر تک گئی تھی جہاں اس کے گلابی رنگ کے ٹاول پر اس کا سیل فون پڑا تھا۔ اس نے وہ سیل فون اٹھالیا اور پھر فرنٹ کیمرہ آن کر کے اس نے بالوں کو ایسے زاویے سے تصویر لی تھی کہ اس کی ایک آنکھ، ناک اور آدھے ہونٹ بھی تصویر میں سما سکیں۔ دو تین کلک کے بعد تصاویر چیک کی تھیں پھر برا سا منہ بنا کر اس نے وہ سب ڈیلیٹ کردیں۔ اسے وہ پسند نہیں آئیں تھیں۔ ان میں اس کے بال ذرا بھی نمایاں نہیں ہو رہے تھے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے کی ایک ٹیوب لائٹ آن تھی۔
اس نے آگے بڑھ کر دوسری ٹیوب لائٹ بھی آن کرلی تھی اور پھر پہلے کی طرح اس نے چند تصاویر اتاری تھیں اور پہلے ہی کی طرح چند سیکنڈز میں وہ سب ڈیلیٹ کردی تھیں۔ وہ مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔ ان تصاویر میں اس کے بالوں کی خوب صورتی مکمل طور پر نمایاں ہی نہیں ہو رہی تھی۔
اسے اپنے لمبے بال بے حد پسند تھے۔ اس کے بال انتہائی خوب صورت تھے۔ ان کی لمبائی ٹخنوں تک تھی اور بالکل ریشم کی طرح نرم تھے۔ ان کا رنگ بالکل سیاہ نہیں تھا بلکہ وہ ہلکے سے بھورے تھے اور جب بھی وہ بال کھول کر سورج کی روشنی میں جاتی تھی تو کرنیں اس کے شہد رنگ بالوں سے پھسل پھسل کر عجب سنہرا سا عکس پیش کرتی تھیں۔ وہ اسی سنہرے عکس کو کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کرنا چاہ رہی تھی، لیکن سورج کی روشنی مدھم پڑ چکی تھی اور فی الوقت یہ ممکن نہیں تھا۔ اس نے ناک منہ چڑھا کر مزید تصاویر لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ کیمرہ آف کرتے ہی سیل فون پر آئے ہوئے واٹس ایپ میسجز نمایاں ہوئے تھے۔ وہ پچاس سے زیادہ میسجز تھے۔ اپنے بیڈ پر نیم دراز ہو کر اس نے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے پہلا میسج کھولا تھا۔ وہ مزید مسکرائی تھی پھر اس نے دوسرا میسج کھولا تھا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی اور پھر تیسرے میسج پر مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی تھی۔
یکے بعد دیگرے اس نے پچاسوں میسجز کھول کر دیکھ لیے تھے۔ آخری میسج پر پہنچنے تک اطمینان بھری

ہنسی اس کے ہونٹوں کے کناروں سے باہر ابلنے لگی تھی۔ پچاس کے پچاس میسج ایک ہی نمبر سے آئے ہوئے تھے اور میسج میں ایک ہی جملہ لکھا ہوا تھا۔

"راہنزل راہنزل... اپنے بال بکھراؤ... راہنزل راہنزل... اپنے بال بکھراؤ۔"

☆ ☆ ☆

"یہ کیا ہے اماں؟" وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر کر ڈائننگ ٹیبل تک آئی تھی جب رانی کی آواز اسے سنائی دی۔ اماں رضیہ اور رانی سامنے کچن میں اپنے دھیان میں مگن تھیں اس لیے انہیں شہرین کے آنے کی خبر نہ ہوئی تھی۔ وہ عام طور سے سمیع کے آفس چلے جانے کے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد اٹھتی تھی اس لیے ان ڈیڑھ دو گھنٹوں میں اماں رضیہ ہی ان کی مالکن ہوتی تھیں۔ وہ تقریباً" دو سالوں سے ان کے پاس تھیں اور انہوں نے بہت اچھے طریقے سے سارا گھر سنبھالا ہوا تھا۔ اس لیے شہرین ان کی جانب سے بہت مطمئن تھی۔

"یہ کاغذات ہیں... سمیع نے دیے تھے۔" اماں رضیہ کی کافی مصروف سی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ تو بڑی قابل ہیں اماں... سارے ہی کام کر لیتی ہیں... کھانا پکانا' سینا پرونا... اور یہ لکھت پڑھت بھی۔" رانی انہیں سراہ رہی تھی یا طنز کر رہی تھی۔ شہرین سمجھ نہ پائی۔ اس نے بہت آہستگی سے کرسی تھوڑا سا اٹھا کر آگے کی اور اس پر بیٹھ گئی۔ اس کی جانب ان دونوں کی پشت تھی۔

"ارے نوکر کیا اور نخرہ کیا۔ جو بھی صاحب لوگ کہیں سب کرنا ہی پڑتا ہے۔" اماں کا انداز کتاہٹ بھرا تھا۔

"آپ کو تو خیر کوئی بھی نوکر نہیں سمجھتا۔ اتنی عزت کرتی ہیں شہرین باجی آپ کی" رانی کی آواز آئی تھی۔

"ہاں اس میں کیا شک ہے۔ شہرین بھی اور سمیع بیٹا بھی دونوں نیک ماں باپ کی نیک اولادیں ہیں۔ خوب ادب آداب اور سلیقے والے لوگ ہیں۔ ہمیشہ عزت و احترام سے بات کرتے ہیں۔" اماں رضیہ کی بات سن کر شہرین کو اچھا لگا۔ وہ اور سمیع واقعی ملازموں کے ساتھ کافی اچھے طریقے سے بات کرنے کے عادی تھے۔

"ہمیں کیا پتا اماں ان کے ماں باپ نیک ہیں یا بد۔ ہم نے کون سا کسی کو یہاں آتے دیکھا ہے۔ میں کتنے عرصے سے یہاں ہوں۔ باجی کے میکے یا سسرال سے کبھی کسی نے قدم نہیں رکھا۔ چلو وہ نا سہی کوئی اور ہی سہی۔ کوئی تو آئے جائے اس گھر میں۔ بڑے لوگوں کے گھر تو مہمان ہی ختم نہیں ہوتے لیکن یہاں تو کبھی کسی مہمان کو دیکھا ہی نہیں۔ وہ جہاں میری بڑی بہن کام کرتی ہے۔ کہتی ہے آئے روز دعوتیں ہوتی ہیں۔ ایسے پیارے پیارے کپڑے پہن کر اس کی مالکن کی سہیلیاں اور ملنے والیاں آتی رہتی ہیں۔ اتنے مزے مزے کی چیزیں بنتی ہیں اس کی مالکن کے باورچی خانے میں۔" رانی بہت ہی لالچی سی لڑکی تھی۔ بات کرتے ہوئے بھی جیسے لالچ آواز سے جھلکنے لگا تھا۔

"آئے ہائے رانی تو یہاں کون سا بھوکی مرتی ہے۔ گوشت مرغ مچھلی۔ سب کچھ تو ملتا ہے تجھے۔ فریج میں آئس کریم جوس تو نہیں چھوڑتی۔ شہرین نے کتنے ہی پرانے کپڑے تجھے دیے ہوئے ہیں۔ پھر بھی تیرا لالچ ختم نہیں ہوتا۔" اماں رضیہ نے سخت لہجے میں ٹوکا تھا۔

"آپ تو ناراض ہی ہو گئیں اماں۔ میں نے کب کہا کہ میں بھوکی مرتی ہوں۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ مہمان نہیں آتے اس گھر میں۔ شہرین باجی کے اماں ابا یا سمیع بھائی کے اماں ابا کو بھی نہیں دیکھا۔ نانا نانی اور دادا دادی کی تو جان ہوتی ہے اپنے دوہتوں پوتوں میں۔ لیکن کوئی ایمن سے ملنے بھی کبھی نہیں آتا۔ رونق نہیں ہے اس گھر میں" رانی ابھی بھی اپنے موقف پر قائم تھی۔ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھی شہرین کو برا تو لگا لیکن جو بھی رانی کہہ رہی تھی وہ حقیقت ہی تھی سو اس نے ٹوکا نہیں تھا بلکہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔

"ارے بی بی تمہارے پنڈوں گوٹھوں (دیہات گاؤں) میں رہ گئی ہیں ایسی رونقیں اب۔ شہروں میں نہیں ہوتا

یہ سب۔ معاف کرو مجھے اور کام کرنے دو۔" اماں رضیہ مزید اکتائی ہوئی آواز میں بولی تھیں۔
"اچھا اچھا اماں کرو کام۔ ڈانٹو تو نہیں۔" رانی پھر بولی تھی۔
"ڈانٹ نہیں رہی ہوں صرف سمجھا رہی ہوں۔ تیری ماں آتی ہے مجھے کہہ کر جاتی ہے کہ تیرا خیال رکھا کروں اسی لیے کہہ رہی ہوں۔ اپنے کام سے کام رکھا کر۔ ملازموں کو زیب نہیں دیتیں ایسی باتیں۔ چل اٹھ ایمن بیٹا کے کپڑے بدل۔ اسے تیار کردے۔ اسپتال لے جانا ہے۔" اماں رضیہ نے کہا تھا۔ ایمن کے نام اور اسپتال کے ذکر پر شہرین چونکی۔
"ایمن کو کیا ہوا ہے۔ وہ تو ٹھیک ہے۔ اسپتال کیوں جانا ہے۔" شہرین کے ذہن میں جو سوال اٹھا تھا وہی رانی نے پوچھ لیا تھا۔
"ایک تو تو ہم سب کی مالکن بنی رہا کر۔ سوال پر سوال کرتی جائے گی۔ کچھ نہیں ہوا ہے بچی کو۔ ٹھیک ٹھاک ہے۔ حفاظتی ٹیکا لگنا ہے۔ اس مہینے چار سال کی ہو رہی ہے۔ سمیع بیٹا کہہ گیا تھا کہ گاڑی بھیج دوں گا ایمن کو لے جانا۔ ڈاکٹر سے ٹائم لے رکھا ہے اس نے۔" اماں رضیہ نے اس کے تجسس کو دیکھتے ہوئے تفصیل سے جواب دیا تھا۔
"ایمن کی سالگرہ ہے اس مہینے۔؟" رانی کا لہجہ پرجوش ہوا تھا۔
"اماں سالگرہ بھی کرتے ہیں یہ لوگ بچی کی یا نہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ کرتے ہوں گے۔" وہ پھر اپنے حقوق سے تجاوز کرتے ہوئے ایک سوال پوچھ رہی تھی۔
"ارے میری ماں مجھے نہیں پتا۔ مجھے صرف ٹیکے کا بتایا ہے سمیع نے۔ اور تجھے بھی جو کہا ہے وہ کر۔" اماں رضیہ اس بار بہت سخت لہجے میں گھرک کر بولی تھیں۔
"اچھا اچھا۔ گھور کیوں رہی ہیں۔ جا رہی ہوں۔ کیا قسمت ہے ایمن بچاری کی بھی۔ اتنی پیاری بچی ہے لیکن اس کے ماں باپ کو اس سے پیار ہی نہیں ہے۔" رانی کی دور جاتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ شہرین وہیں بیٹھی رہ گئی۔ اس کے ملازمین اس کی ناک کے نیچے اس کے متعلق کیا کیا باتیں کرتے رہتے تھے۔

☼ ☼ ☼

"کیا کر رہی ہو؟" زری نے اسے بستر پر آڑا ترچھا لیٹا دیکھ کر پوچھا تھا۔ اس کے بال بکھرے تھے اور چہرہ بالکل بے رونق لگ رہا تھا جبکہ اس کے برعکس زری نے کلینزنگ کرکے ہاتھ منہ دھویا تھا پھر نائٹ کریم لگائی تھی۔ اپنے بالوں میں دس منٹ کنگھا پھیر پھیر کر خون کی روانی کو خوب بڑھایا تھا پھر بستر پر بیٹھ کر اس نے خوب سارا لوشن ہتھیلیوں پر انڈیلا تھا اور انگلیوں کا مساج کرنا شروع کردیا تھا۔ وہ اپنے آپ سے کبھی لاپروائی نہیں برتی تھی۔
"نماز پڑھ رہی ہوں۔" نہنا نے لیٹے لیٹے جواب دیا تھا۔ زری نے اسے گھورا۔
"لیٹ کر کون سی نماز پڑھ رہی ہو تم۔"
"جب نظر آرہا ہے کہ لیٹی ہوئی ہوں تو پھر کیوں پوچھا کہ کیا کر رہی ہو؟" نہنا نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔
"اس لیے پوچھا کہ کہیں تم سو تو نہیں گئی۔" زری نے دائیں ہاتھ کی انگلی اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کی پہلی انگلی کو مروڑتے ہوئے مساج کرتے ہوئے کہا تھا۔
"فرض کرلو۔ اگر سو گئی ہوتی تو۔۔۔؟" نہنا نے ایک اور سوال پوچھا۔
"تو میں تمہیں وہ نا کہتی جو کہنے والی تھی۔" زری اطمینان سے بولی۔
"اچھا تو پھر کہہ دو بسنتی۔ کیا کہنا چاہتی تھی تم۔" نہنا کا مزاج کافی اچھا تھا۔

"میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ کبھی کبھی سونے سے پہلے کلینزنگ کر کے منہ دھو لیا کرو۔ رنگ کتنا پھیکا سا ہو رہا ہے۔ اور اسکن بھی رف ہو گئی ہے تمہاری۔" وہ اس کا احساس کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نینا نے پہلے منہ بنایا پھر تھوڑا سا ہنسی۔

"کیا بہت بری لگ رہی ہوں؟" اس کا مزاج اچھا ہو رہا تھا اس لیے زری نے بھی اتنی بات کہہ دی تھی ورنہ وہ برداشت کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔

"نہیں۔ بری تو نہیں لگ رہی لیکن اگر اپنا خیال رکھو تو فریش لگنے لگو گی۔ خوب صورت لگنے لگو گی۔" نینا اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اس نے اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھا۔ اس کے ہاتھ تو واقعی کتنے رف لگتے تھے جبکہ زری اتنی نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ وہ دوبارہ اپنی جگہ پر ڈھیر ہو گئی۔

"میرا دل نہیں کرتا یار۔ یہ کام نہیں ہوتے مجھ سے۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔ اس کا موڈ اچھا تھا تب ہی ایسے کہہ دیا تھا ورنہ ایسے مشوروں پر وہ ترنخ کر زری کو "مائنڈ یور اون بزنس" کہا کرتی تھی۔

"خوب صورت لگنے کا دل نہیں کرتا۔ کیسی لڑکی ہو تم؟" زری حیران ہوئی حالانکہ جانتی تھی اس کی بہن ایسی ہی ہے۔

"میرا مطلب ہے کہ میرا یہ سب کرنے کو دل نہیں کرتا۔ مساج کلینزنگ۔ فیشل پیڈی کیور مینی کیور۔" وہ اسی انداز میں لیٹی چھت کو تکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تم بہت عجیب مخلوق ہو۔ آج کل کی لڑکیوں والی تو کوئی بات ہی نہیں تم میں۔ میں اگر یونیورسٹی میں پڑھتی ہوتی نا تو اتنا تیار ہو کر جایا کرتی۔ نئے نئے کپڑے بنواتی۔ اسٹائلش جوتے خریدتی۔ روزانہ بدل بدل کر بیگ لے کر جایا کرتی۔ تمہیں تو کوئی شوق ہی نہیں ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو بہن۔ مجھے واقعی شوق نہیں ہے ایسے کاموں کا اور پھر یونیورسٹی جاتی ہوں بکرا منڈی نہیں کہ ہار پھول سہرے لٹکا کر جاؤں۔" اس نے اعتراف کیا تھا۔ زری اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے بستر پر آگئی۔

"کیوں نینا۔ ایسا کیوں۔ تمہارا دل نہیں کرتا کہ تم خوب صورت لگو۔ تمہیں دیکھ کر سب کہیں کہ تم کتنی پیاری ہو۔ میں نے ڈائجسٹ میں پڑھا تھا کہ عورت کو ستائش کی حرص ہوتی ہے۔"

"تم نے آدھا جملہ پڑھا ہے۔ مکمل جملہ ایسے ہے۔ عورت کو ستائش کی حرص ہوتی ہے اور حرص بری بلا ہے۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

"اوہو۔ میرا مطلب تھا کہ ستائش اچھی لگتی ہے عورت کو۔ سراہے جانا سب کو پسند ہوتا ہے۔" وہ وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر لوشن سے اس کا مساج کرنے لگی۔ نینا کو بہن کی یہ حرکت بڑی اچھی لگی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی زری کے سفید دودھیا نرم ملائم ہاتھوں میں اس کا بے رونق پھیکا سا ہاتھ بہت ہی عجیب لگ رہا تھا لیکن اصل چیز وہ خلوص اور محبت تھی جس سے زری اس کا مساج کر رہی تھی۔

"آج تو بڑی مہربان ہو رہی ہو ہمشیرہ۔ کیا بات ہے۔" وہ چڑاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"میں تو ہمیشہ سے ہی ایسی ہوں نینا۔ یہ تم ہو جو ہر وقت سڑی رہتی ہو۔ غصے اور خفگی کو اپنے ناک پر عینک کی طرح رکھ کر گھورتی رہتی ہو۔" زری نے اسی خلوص سے کہا تھا جس خلوص سے وہ مساج کر رہی تھی۔

"اور میں بھی ایسی ہی ہوں شروع سے۔ تمہارا میرا کیا مقابلہ۔ تم اماں ابا کی لاڈلی' خاندان بھر کی چہیتی۔ اور میں۔" اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے۔ تم پتا نہیں ایسا کیوں سوچتی رہتی ہو۔ امی اور ابا دونوں تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ بالخصوص ابا کو بہت محبت ہے تم سے۔" زری نے سمجھانا چاہا۔

"اوہ... اچھا... واقعی... ابا کو محبت ہے مجھ سے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی تھی۔ زری نے تاسف بھرے انداز میں اس کا چہرہ دیکھا پھر کچھ کہتے کہتے ارادہ ترک کر دیا۔ ان دونوں کے درمیان بحث کا یہ نیا موضوع نہیں تھا۔ نینا غلط فہمی کا شکار تھی کہ ابا اس سے محبت نہیں کرتے۔ اسی لیے وہ جب بھی کبھی ابا کے متعلق تحفظات کا شکار ہوتی تھی تو زری اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تھی۔

"ہاں... ماں باپ کبھی اولاد سے نفرت نہیں کرتے۔" زری اسی پوائنٹ پر کھڑی تھی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ محبت نام کی بھی کوئی چیز نہیں ہے ہمارے درمیان۔" نینا ابا کے ذکر پر چہرے کے تاثر کو بالکل سپاٹ کر لیا کرتی تھی۔

"محبت کسے کہتی ہو تم؟" زری نے اب اس کا بایاں ہاتھ تھام لیا تھا اور اس کا مساج کرنے لگی تھی۔

"محبت کو ہی محبت کہتی ہوں۔ کیا ہو گیا ہے... آج فلسفہ بلوانے پر کیوں تلی ہو۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔ ابا کے ذکر پر وہ ہمیشہ موضوع بدلنے کو ترجیح دیتی تھی۔ زری نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم نے کبھی کسی سے محبت کی نینا۔ یا کسی کو تم سے محبت ہوئی۔" وہ کھوجنے والے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ آواز خود ہی سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔ امی ابھی جاگ رہی تھیں۔ وہ اگر ان دونوں کی باتیں سن لیتیں تو اچھی خاصی شامت آ سکتی تھی اس لیے وہ دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ اس کے ذہن میں اس دن والا سلیم کا اعتراف گونجنے لگا تھا۔

"ہاں... دنیا میں صرف ایک شخص ایسا ہے، جو واقعی مجھ سے محبت کرتا ہے۔" نینا نے اپنی آواز کو دھیما کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ اسی اونچی ٹون میں بولی تھی۔ زری نے کمرے کے ادھ کھلے دروازے کی جانب دیکھا۔

"کون...؟" زری کا تجسس عروج پر تھا۔

"سلیم کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے یار۔" وہ اپنی دھن میں بولی تھی۔ زری اس کے اعتراف پر بہت حیران ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یہ بات اس سے کبھی شیئر نہیں کرے گی لیکن اس نے تو بہت آسانی سے بتا دیا تھا اور جب اس نے بتا دیا تو اس کا بھی دل چاہا تھا کہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا راز بہن سے شیئر کرے۔ اس نے ساری تمہید باندھی ہی اس لیے تھی لیکن پھر بھی وہ اپنے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈر رہی تھی۔

"تمہیں بھی سلیم سے محبت ہے؟" اس نے ایک دم سوال کیا۔ حالانکہ اسے اس سوال کا جواب پتا تھا۔ نینا خود سلیم سے کہہ چکی تھی کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتی لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب نینا بولی۔

"دنیا میں امی کے بعد مجھے سلیم ہی سے محبت ہے۔" وہ سلیم کے نام پر زور دے کر بولی تھی۔ زری کو اس کا جواب سن کر بہت مایوسی ہوئی۔ وہ اس جواب کی توقع کر ہی نہیں رہی تھی۔ اسے اگر سلیم سے محبت تھی تو سلیم کو اس دن رو کر انکار کیوں کر رہی تھی وہ۔

"سلیم بہت اچھا انسان ہے۔ اس کا دل اتنا خالص ہے۔ ریاکاری سے بالکل پاک۔" نینا اس کی تعریفیں کرنے میں مگن تھی۔ زری کو اس منافقت کی سمجھ نہیں آئی تھی لیکن اس نے فی الحال اپنا راز شیئر کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔



☆ ☆ ☆

"تم نے مجھے کیوں نہیں یاد کروایا ایمن کی ویکسی نیشن کا؟" رات کو اس نے سمیع سے شکوہ کیا تھا۔ صبح اماں رضیہ اور رانی کی باتیں سن کر وہ کافی دیر تک اسی متعلق سوچتی رہی تھی لیکن اس نے کسی کو ٹوکا یا ڈانٹا نہیں تھا لیکن دل میں الجھن سی بیٹھ گئی تھی کہ شاید وہ سب اپنی سوچ میں حق بجانب تھے۔ ان کے سامنے سمیع اور اس کا

تاثر ہی کچھ اس طرح کا جم رہا تھا کہ وہ اپنی بچی سے اس قدر لاپروا رہتے ہیں تو شاید انہیں اس سے محبت ہی نہیں ہے۔

سمیع نے کبھی اسے ایمن کے کام نا کرنے پر نہیں ٹوکا تھا۔ وہ پیدا ہوئی تھی تو اس کے اسپتال سے گھر آمد سے پہلے ہی اس نے ملازمہ کا انتظام کرلیا تھا لیکن تب شہرین ٹھیک رہتی تھی تو اس نے بچی کے سب کام ملازمہ کے سر پر نہیں چھوڑ رکھے تھے لیکن ایمن چھ مہینے کی ہوئی تو شہرین کو ٹائفائیڈ ہوگیا تھا جس کی بنا پر اتنی کمزوری ہوگئی کہ اس سے ایمن کے کام ہوتے ہی نہیں تھے تب سے ایمن ملازماؤں کے ہاتھوں میں ہی پلتی رہی تھی اور تب سے ہی شہرین نت نئی بیماریوں کا شکار رہتی تھی۔ سردرد کمردرد تو عام سی بات ہو کر رہ گئی تھی۔

سمیع نے اسے ویسے بھی ہتھیلی کا چھالہ بنا رکھا تھا۔ اس کی ذرا سی تکلیف پر وہ گھبرا جایا کرتا تھا۔ وہ اسے گھر کے کاموں کے علاوہ ایمن کے کام کرنے پر بھی ٹوک دیا کرتا تھا جس کی بنا پر شہرین بھی لاپرواہوتی چلی گئی تھی حالانکہ ہر ایک دو مہینے بعد سوچتی تھی کہ بس اب اپنی بچی کو خود ہی سنبھالے گی لیکن آئے روز کی بیماریاں پیچھا ہی نہیں چھوڑتی تھیں۔

"میں نے اماں رضیہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ لے جائیں۔" سمیع نے اتنا ہی کہا تھا کہ شہرین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہیں مجھ سے کہنا چاہیے تھا۔ ایمن کی ماں میں ہوں۔ اماں رضیہ نہیں ہیں۔" سمیع نے لیپ ٹاپ سے نگاہیں ہٹا کر لحہ بھر کے لیے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔

"ایسے کیوں کہہ رہی ہو۔ کیا ہوا۔" وہ عام سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"ملازمین پر ہر کام نہیں چھوڑا جاسکتا۔ وہ الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں..... تم مجھے یاد کرواتے کہ ایمن کو ویکسی نیشن کے لیے لے جانا ہے۔" وہ خفگی بھرے لہجے میں بولی تھی۔ سمیع نے گہری سانس بھری اور اپنے سامنے فائل کھولی پھر دوبارہ سے لیپ ٹاپ کی جانب دیکھ کر بولا۔

"میرے سیل میں ایمن کے لیے ریمائنڈر لگا ہوتا ہے۔ صبح مجھے الرٹ ملا تھا کہ آج اس کی ویکسی نیشن کی ڈیٹ ہے۔ تم سو رہی تھیں تو میں نے اس کی اپائنمنٹ کنفرم کرکے اماں رضیہ کو بتادیا۔"

"تم مجھے جگا کر بتادیتے سمیع۔" اس کی سوئی ایک جگہ ہی اٹکی تھی۔

"تم لیٹ اٹھتی ہو۔ میں نے سوچا جلدی جگادیا تو پھر سردرد کی شکایت کروگی۔" سمیع ابھی بھی لاپروا سے انداز میں بولا تھا۔

"ایک تو میں اس سردرد سے عاجز ہوں۔ اپنے شوہر اور بچی کی ذمہ داریاں بھی ٹھیک سے نہیں اٹھا پاتی۔ اور لوگ پتا نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں۔" اسے پھر اماں رضیہ اور رانی کی باتیں یاد آگئی تھیں۔

"کیا ہوا ہے۔ تمہاری امی کا فون آیا تھا کیا؟" سمیع نے پوچھا۔ عام طور سے جس روز شہرین اپنی امی سے فون پر بات کرلیتی تھی۔ اس روز اسی طرح خود ترسی کا شکار رہا کرتی تھی۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سرہلایا۔

"تو پھر میری امی کا آیا ہوگا۔" وہ حتمی نتیجے پر پہنچا تھا۔

"کسی کا فون نہیں آیا سمیع لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا جب اماں رضیہ سمجھتی ہیں کہ میں ایمن کا خیال نہیں کرتی یا اس کی جانب سے لاپروائی برتتی ہوں۔" وہ منہ لٹکا کر بولی تھی۔ سمیع نے چند لمحے کے لیے دوبارہ اس کی جانب دیکھا۔ اس کی پیشانی پر تیوریاں پڑنے لگی تھیں۔

"انہوں نے یہ سب کہا تم سے؟" وہ برا مان کر پوچھ رہا تھا پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔

"اماں رضیہ کون ہوتی ہیں ایسا سمجھنے والی۔ یا تم سے کچھ بھی الٹا سیدھا بولنے والی۔ وہ ایمن کی گورنس ہیں۔ انہیں کس لیے بلوایا ہے میں نے۔ کس چیز کی تنخواہ دیتا ہوں میں۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ میں بات کروں گا ان سے۔ اگر ان سے یہ سب نہیں ہوتا تو بتادیں۔ میں نے تو ان کا لحاظ کر کے ہی انہیں یہاں بلوایا تھا کہ کہاں در در کی ٹھوکریں کھائیں گی اس عمر میں۔ وہ نہیں کر سکتیں اگر ایمن کی دیکھ بھال تو بے شک واپس چلی جائیں۔ ملازموں کی کمی نہیں ہے۔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔ میں ایمن کے لیے کسی اور کو ہائر کر لیتا ہوں۔" وہ سخت لہجے میں بول رہا تھا۔ شہرین نے ناک چڑھائی۔

"اتنا ایموشنل مت ہو۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ تو ہنسی خوشی سب کرتی ہیں۔ لیکن سمیع... میں خود ہی سوچ رہی تھی کہ..." وہ بات کرتے کرتے چپ ہوئی تھی۔ وہ اب اماں رضیہ کا نام نہیں لینا چاہتی تھی۔ سمیع کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ وہ واقعی کبھی کبھی بہت بدلحاظ ہو جاتا تھا۔ شہرین کو کوئی کچھ کہے یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"اوہو۔ تم خود ہی سب کچھ مت سوچتی رہا کرو۔ کچھ کام باقی لوگوں کے لیے بھی چھوڑ دیا کرو۔ میں نے تو کبھی کچھ نہیں کہا نا تم سے۔ میں جانتا ہوں جب تمہاری طبیعت ٹھیک ہوتی ہے تو ایمن کے سارے کام تم ہی کرتی ہو۔" وہ چڑ کر بولا تھا۔ شہرین نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا لیکن وہ ابھی بھی کچھ سوچ رہی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ اس نے کبھی ایمن سے محبت کا والہانہ اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ جب بھی ایسا کرنے کے متعلق سوچتی تھی تو کوئی احساس تھا جو اسے روک دیتا تھا۔ اس کی پیدائش سے لے کر اب تک حالات اس طرح کے رہے تھے کہ ایمن واقعی نظر انداز ہوتی رہی تھی۔ بہت سارے عناصر تھے جو اس سب کے پیچھے کار فرما تھے لیکن سب سے بڑی وجہ شہرین کی طبیعت ہی تھی جو کبھی سنبھلتی تھی اور کبھی بگڑی رہتی تھی۔ آج کل چونکہ وہ ٹھیک تھی تو اس لیے بھی اس ساری صورت حال میں اسے اپنی کوتاہی بہت بری طرح محسوس ہو رہی تھی۔

"اچھا چلو تم ناراض مت ہو۔ ایمن کی برتھ ڈے آرہی ہے۔" اس نے گفتگو کا موضوع بدل کر اچانک کہا۔ ایمن سے محبت کے اظہار کا فی الحال اسے یہی طریقہ سمجھ میں آیا تھا۔

"ہر سال ہی آتی ہے۔ کون سی نئی بات ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا تھا۔

"ہاں۔ لیکن اس سال مجھے سیلیبریٹ کرنی ہے۔ بہت شاندار طریقے سے۔ ہر سال کی طرح نہیں کرنی کہ بس کہیں باہر کھانا کھانے چلے گئے اور بچی کے لیے کوئی تحفہ لے لیا۔ اس بار ویسے کرنی ہے جیسے سب کرتے ہیں۔ گھر میں پارٹی کرنی ہے۔ سب کو بلائیں گے۔" وہ حتمی لہجے میں بولی تھی۔

"یہ کیا نیا شوق چرایا ہے۔ بھئی پارٹی کرنے کا دل ہے۔" وہ اس کی فرمائش پر ہنسا تھا۔

"ہاں۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس بار ایمن کے لیے کچھ اسپیشل سا کیا جائے۔ چار سال کی ہو جائے گی اور ابھی تک ہم نے اس کی کسی برتھ ڈے کی ڈھنگ سے تصاویر بھی نہیں بنائیں۔ لوگ کتنا کچھ کرتے ہیں اپنے بچوں کے لیے۔"

"ہم..." سمیع نے ہنکارا بھرا پھر اس کی کنپٹی پر انگلی رکھ کر نیم سنجیدہ سے انداز میں بولا۔

"ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں زوجہ۔ ہو سکے تو اسے یہاں محفوظ کر لو۔ لوگ روگ ہوتے ہیں۔ ان کی پیروی مت کرو۔ اپنی اولاد کے لیے کبھی کسی کو دکھانے یا جتانے کے لیے کچھ نا کرنا۔ اس سے نا اولاد خوش ہوتی ہے نا لوگ اور نا ہی اللہ۔"

"سن لی ہے میں نے نصیحت اور شکر ہے مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں لوگوں کی خاطر کچھ نہیں کرنا چاہتی۔ میں تو اپنی بیٹی کی خاطر ہی کرنا چاہتی ہوں۔ اور تم بھی باتیں کرنے کی بجائے ذرا سا اچھی سی اماؤنٹ کا چیک

کاٹ کردے دو تو مہربانی ہوگی۔" وہ اس کی نصیحت کو خاطر میں نالاتے ہوئے بولی تھی۔

"تم میرا خرچہ کروا کر ہی دم لوگی۔" وہ خوشگوار انداز میں بات کر رہا تھا جس کا مطلب تھا اسے شہرین کی تجویز منظور تھی۔

"ہاں نا صرف خرچہ کرنا ہوگا بلکہ محنت بھی کرنی پڑے گی۔ میں امی لوگوں کو بھی بلواؤں گی۔ بہت اچھی پارٹی کرنی ہے مجھے۔" وہ پرجوش تھی۔ سمیع لفظ "امی" پر لیپ ٹاپ کی جانب دیکھتا رہا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اسے ٹوک نہیں پایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے۔ آج تو بالکل اچھا ٹیسٹ نہیں کیا آپ نے" اس نے رانیہ کی ٹیسٹ شیٹ اس کو چیک کرنے کے بعد واپس تھماتے ہوئے ناراضی بھرے لہجے میں کہا تھا۔ کافی دن ہو گئے تھے اب رانیہ کو پڑھاتے ہوئے اور ان دونوں کے درمیان استاد اور شاگرد والی اچھی کیمسٹری بن چکی تھی۔ رانیہ اپنا کام بہت ذمہ داری سے کرتی آئی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ نیناکو اس سے شکایت ہوئی تھی۔ رانیہ نے تھکے ہوئے انداز میں شیٹ پکڑی تھی اور غائب دماغی سے ان کا جائزہ لینے لگی۔ نیناکو اس کے بجھے بجھے سراپے نے حیرت میں مبتلا کیا تھا۔ وہ سولہ سترہ سال کی دبلی پتلی لیکن بہت پرجوش زندہ دل سے لڑکی تھی۔ اچھے مارکس لے کر خوب شور مچاتی تھی۔ دو تین بار تو وہ نینا کو اسی خوشی میں آئس کریم کھلا چکی تھی کہ میرے ٹیسٹ میں اچھے مارکس آئے ہیں۔ اسی طرح کبھی خراب مارکس آتے تھے تو "ہوہائے" ڈال کر واویلا بھی مچاتی تھی لیکن آج وہ نا بے چین ہوئی تھا نا کوئی خاص ردعمل ظاہر کیا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے رانیہ" نینا نے بال پوائنٹ کو کیپ لگاتے ہوئے سرسری سے انداز میں سوال کیا۔ اس نے نا سمجھی کے عالم میں سر اٹھایا اور پھر گردن ہلا کر دوبارہ شیٹ دیکھنے لگی تھی۔ یہ بھی ایک غیر معمولی بات تھی۔ وہ بہت باتونی لڑکی تھی لیکن آج وہ کافی چپ تھی۔ اس کی بڑی بڑی گہری آنکھیں بھی سرخ سی ہو رہی تھیں۔

"کیا بات ہے ماما سے ڈانٹ پڑی ہے۔ روئی ہیں آپ؟" نینا نے دوبارہ پوچھا تھا۔

"نہیں نینا باجی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" اب کی بار اس نے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھے بنا جواب دیا تھا۔

"آنکھیں کیوں اتنی سرخ ہو رہی ہیں۔ کیا ساری رات جاگتی رہی ہو؟" نینا نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ رانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ نینا کے لہجے میں شفقت اور ملائمت دونوں تھی۔ رانیہ چونکہ ایک پرابلمیٹک طالب علم نہیں تھی اس لیے نینا اس پر پہلے بھی زیادہ سختی نہیں کرتی تھی لیکن آج اس کو اس انداز میں دیکھ کر وہ مزید نرم لہجے میں سوال کر رہی تھی۔ رانیہ نے اس کی جانب دیکھا، کچھ کہنے کے لیے پر تولے پھر اس نے یک دم رونا شروع کر دیا۔ نینا پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی قریب ہوئی۔

"کیا بات ہے رانیہ۔ کسی نے کچھ کہا ہے۔ ماما نے زیادہ ڈانٹ دیا کیا؟" رانیہ کچھ نہیں بولی بلکہ ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کرنے لگی تھی جیسے اپنے بے وقت کے رونے پر خود بھی شرمندہ ہو گئی ہو۔

"آپ مجھ پر ٹرسٹ کر سکتی ہیں رانیہ۔ کوئی بات ہے جو آپ کو پریشان کر رہی ہے تو آپ مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں۔" اس نے بہت محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ اپنی تمام اسٹوڈنٹس کے ساتھ پڑھائی کے بعد اس کا لہجہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

"بولو نا رانیہ" اس کی خاموشی سے اکتا کر نینا نے پھر پوچھا تھا۔ رانیہ کے چہرے پر کشمکش تھی جیسے کچھ کہنا بھی

چاہتی ہو' بتانے کی خواہش بھی ہو مگر ہچکچاہٹ بھی ہو۔
"اچھا آپ کی مرضی۔ لیکن اگر کوئی پریشان کن بات ہے تو اپنی ماما سے ڈسکس کر لینا۔ اوکے۔" نہنا نے اسے متامل دیکھ کر اپنی جانب سے بات ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے یونیورسٹی سے دیر ہو رہی تھی اور کچھ اس میں صبر بھی اس سے زیادہ نہیں تھا۔ وہ بال کی کھال نکال کر وقت برباد کرنے والے لوگوں میں سے نہیں تھی۔
"ماما سے ڈسکس نہیں کر سکتی میں۔ وہ مجھے ہی ڈانٹیں گی۔" رانیہ نے گلوگیر لہجے میں جواب دیا تھا۔
"ماما ڈانٹنے والی مخلوق ہی کا نام ہے لیکن ماما سے زیادہ اچھا دوست بھی کوئی نہیں ہوتا۔ ڈانٹنے ڈپٹنے کے بعد بھی ان جیسا اعتبار اور محبت آپ سے کوئی نہیں کر سکتا۔" وہ نصیحت کر رہی تھی۔
"نہنا باجی۔ وہ دراصل ایک لڑکا ہے... مجھے تنگ کر رہا ہے کچھ دنوں سے۔" رانیہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی تھی۔
نہنا نے سر ہلایا۔ اس کے نزدیک یہ عام سی بات تھی جو ہر تیسری لڑکی کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہی تھی۔
"فیس بک پر...؟" اس نے اب کی بار ذرا سخت لہجے میں سوال کیا تھا۔
"جی فیس بک پر بھی اور واٹس ایپ پر بھی۔" رانیہ شرمندگی سے بولی تھی۔
"سب سے پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے فیس بک پر اپنا کانٹیکٹ نمبر دیا ہی کیوں۔ یہ نہیں کرنا چاہیے تھا آپ کو۔" وہ اب کی بار پہلے سے زیادہ سختی لہجے میں سمو کر پوچھ رہی تھی۔
"نہیں نہنا باجی میں نے نہیں دیا تھا۔ دراصل میں جہاں پہلے ٹیوشن پڑھتی تھی نا وہاں کے کچھ اسٹوڈنٹس نے اپنے اسکول میں واٹس ایپ کا ایک گروپ بنایا ہوا تھا جہاں وہ ایگزام کے دنوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اپنی تیاری' پرانے پیپرز اور اس طرح کی چیزیں شیئر کرتے تھے۔ ماما سے پوچھ کر میں نے بھی ان لوگوں کو اپنا نمبر دیا ہوا تھا۔ شاید وہاں سے کسی نے لیا ہے۔" وہ وضاحت آمیز انداز میں جلدی جلدی بولی تھی۔
"تو اب کیا پرابلم ہے۔ کیا کہتا ہے وہ۔ آئی مین وہ لڑکا جو آپ کو ٹیز کر رہا ہے۔" نہنا کے چہرے پر سختی ہر سوال کے ساتھ بڑھتی رہی تھی۔ اسے ہمیشہ ان بچوں پر غصہ آتا تھا جو ٹیکنالوجی کا غلط استعمال کرتے تھے اور پھر دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتے تھے۔
"وہ کہتا ہے مجھے فیس بک پر ایڈ کرو... مجھ سے دوستی کرو... مجھ سے فون پر باتیں کرو... بار بار واٹس ایپ کر کے ایک ہی بات کہتا ہے۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہوئی تھی۔
"کیا...؟" نہنا نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا تھا۔
"ایک ہی بات لکھتا رہتا ہے۔ آئی لو یو راپنزل... آئی لو یو راپنزل۔" رانیہ کے لہجے میں جھجک اور شرمندگی ایک ساتھ بڑھی تھی۔ آنکھیں بھی دوبارہ نم ہوئی تھیں۔
"راپنزل..." نہنا نے یہ لفظ پہلی بار سنا تھا۔

☆ ☆ ☆

حبیبہ اس کی زندگی سے چپ چاپ نکل کر اس کے شوہر کی زندگی میں اس طرح داخل ہوئی کہ اسے پتا ہی نا چل سکا۔ وہ پہلے اس سے خار کھاتی تھی' چڑتی بھی تھی' کوستی تھی۔ اسے دل ہی دل میں برا جانتی تھی اور پھر یوں ہوا کہ وہ اور کاشف مل کر اسے برا بھلا کہنے لگے۔ اس کا ذکر آتا تو کاشف ناک چڑھا کر کہتا۔
"کیا یہ ضروری ہے کہ جب ہمیں اپنی باتیں کرنی چاہئیں' تب ہم کسی تھرڈ کلاس عورت کو یاد کریں... مت کیا کرو اس کا تذکرہ میرے سامنے... اس کے مرے ہوئے شوہر کی لاج رکھ رہا ہوں' ورنہ تو اس کی آواز بھی نا سنتا کبھی۔" اس کے لہجے کی حقارت' تضحیک اور نفرت صوفیہ کے دل میں سکون بن کر اترتی تھی۔ وہ ان دنوں اتنی

پرسکون رہنے لگی تھی کہ اسے خود بھی اپنی زندگی پر رشک آتا۔ وہ ساری باتیں جو اس کی خوش قسمتی کے بارے میں خاندان میں مشہور تھیں وہ بالکل حقیقت لگتی تھیں۔ وہ سب ایک اچھی خوش حال مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔

کاشف کا کاروبار خوب ترقی کر رہا تھا۔ وہ مہینے میں دو تین دن کے لیے اپنے بزنس کی پروموشن کے لیے شہر سے باہر بھی جاتا تھا۔ ایک بار وہ ایک ہفتے کے لیے دبئی بھی گیا اور جب بھی وہ گھر سے جاتا۔ اداسی اس کے پورے وجود پر چھائی رہتی تھی۔ وہ زرمین کو اتنی بار گود میں لے کر گلے سے لگاتا کہ اس کی اداسی کو محسوس کر کے صوفیہ کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ اس کا شوہر اپنی فیملی کے لیے اتنی محنت کر رہا تھا۔ اپنے وقت اور آرام کی قربانی دے رہا تھا تو وہ کیوں نا ایسے انسان کی محبت میں مبتلا ہوتی۔ ہر گزرتا دن اس کے دل میں کاشف کی قدرو منزلت کو بڑھا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں پر محبت کی پٹی اتنی زور سے بندھ گئی کہ اسے اس کے پار کچھ نظر آنا ہی بند ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ راہنزل کون ہے؟" اس نے کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر پہلا سوال یہی کیا تھا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اوپر لٹکتا پاپڑ والا پیکٹ اتار لیا تھا۔ سلیم کاغذ قلم ہاتھ میں لے کر بیٹھا ہی تھا۔ اس کا سوال سن کر چڑ کر بولا۔

"مجھے کیا پتا کون ہے.... مجھ سے تو ایسے پوچھ رہی ہو جیسے میری پھپھی کی بیٹی ہو۔"

"بات سنو سلیم، تم ذرا آپے میں رہا کرو.... تمہیں ذرا سی اہمیت دے دو نا.... سر ہی چڑھ جاتے ہو۔" نمنا اس سے زیادہ چڑ کر بولی۔ اس نے اطمینان سے پیکٹ کھول لیا تھا اور اب کڑ کڑ کی آوازیں پیدا کرتے ہوئے پاپڑ چبا رہی تھی۔

"جی اچھا میڈم جی.... اور کوئی حکم...." اس نے فائل سائڈ پر رکھ دی تھی، پھر وہیل چیئر ذرا سی کاؤنٹر کی جانب کھسکائی تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ اسے ایک مشہور میگزین کے ایڈیٹر نے کال کی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ وہ ان کے لیے مزید لکھے لیکن وہ پاپڑ چبانے میں غرق تھی۔

"تمہارا جی نہیں بھرتا ان چیزوں سے۔" وہ ناک چڑھا کر سوال کر رہا تھا۔ نمنا نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں.... کوئی اور سوال...." توقع کے مطابق کورا سا جواب آیا تھا۔

"مت کھایا کرو اس طرح کی چیزیں...." وہ اب اس کی فکر کر رہا تھا لیکن اس پر اثر نہیں ہوا۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" چھوٹا سا پیکٹ تھا۔ ایک ختم کر کے اس نے دوسرا بھی اتار لیا تھا۔

"تو تمہارے ابا تمہیں کھانے کو نہیں دیتے کیا یا مجھ غریب کا ہی نقصان کیے جانا ہے۔" وہ اس کے کھانے کی رفتار سے مزید چڑھ رہا تھا، نمنا نے ناک پھلائی پھر لہجے میں مصنوعی خفگی پیدا کر کے بولی۔

"میرے ابا کا نام احترام سے لو.... میں اپنے ابا کو جو مرضی کہوں وہ میرے ابا ہیں۔ میں جو چاہے کہہ سکتی ہوں، تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ان کے بارے میں کوئی بات کرو۔"

"مجھے کوئی شوق بھی نہیں ہے بڑوں کے بارے میں عزت و احترام کے بغیر بات کرنے کا.... آپ کے شوق آپ کو ہی مبارک ہوں۔" سلیم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

"یہ ہوئی نا بات شریف لڑکوں والی.... اب ذرا میرے سوال کا جواب دو۔ یہ راہنزل کیا ہے؟" وہ پھر سے سوال دہرا رہی تھی۔ رانیہ کے سامنے اس نے اپنی لاعلمی ظاہر نہیں کی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اسے پتا نہیں تھا کہ راہنزل کیا ہے۔ رانیہ کا فون نمبر اس کے پاس تھا اور اس نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ پریشان نا ہو، وہ اس تنگ کرنے والے لڑکے کا کچھ نا کچھ ضرور کرلے گی، اسی لیے اب وہ گھر جانے کی بجائے یہاں کھڑی تھی۔

دراصل سلیم کے پاس موبائل ایزی لوڈ کی سہولت تھی۔ اسی لیے سیلولر کمپنیز میں اس کے تھوڑے بہت تعلقات بھی تھے۔ اس نے سوچا تھا وہ رانیہ کا مسئلہ اسے بتا کر مدد کے لیے کہہ دے گی۔ "راہنزل" کا تذکرہ تو اس نے صرف تمہید باندھنے کے لیے کردیا تھا اور وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ جب رانیہ اس کے سامنے دوبارہ یہ لفظ دہرائے تو اسے پتا ہو۔ اپنے شاگردوں کے سامنے اسے "لاعلم" ظاہر ہونے سے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔

"راہنزل تم ہو۔" سلیم نے مذاق اڑانے والے انداز میں اسے کہا تھا۔ نیناں نے سابقہ انداز میں اسے دیکھا' پھر افسوس سے سرہلایا۔

"تمہیں بھی عزت راس نہیں آتی نا.... میں جب بھی تمہیں پڑھا لکھا' قابل آدمی سمجھ کر تم سے کوئی مدد لینے آتی ہوں.... پچھتاتی ہوں.... ہمیشہ پچھتاتی ہوں۔"

"ارے واہ تم تو شاعری بھی کرنے لگی.... آتی ہوں' پچھتاتی ہوں۔" وہ عادت کے مطابق ابھی سنجیدہ نہیں ہوا تھا۔

"معاف کرو بھئی.... سارے خاندان میں تم ہی کافی ہو ایک شاعر.... ہمیں اپنے ماتھے پر یہ کلنک کے ٹیکے مزید نہیں لگوانے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ سلیم نے اس سے بھی زیادہ برا منہ بنایا۔

"اچھا تو پھر جاؤ یہاں سے اور خبردار اب پاپڑ چپس کھانے یا چلی ملی مانگنے میری دکان پر آئی تو.... اللہ بچائے ان غریب غربا رشتے داروں سے۔"

"اچھا فرض کرو اگر دوبارہ آگئی تو کیا کرو گے۔" اس نے پوچھا۔

"تمہارے ابا کو شکایت کردوں گا کہ آپ کی بیٹی مجھے تنگ کرتی ہے۔" وہ دھمکانے والے انداز میں بولا۔

"ہاہا.... ابا سے بات کرنے کی ہمت ہے تم میں.... ان کے سامنے تو تمہاری گھگی بندھ جاتی ہے۔"

"اتنی ہمت تو تم میں بھی نہیں ہے.... تمہاری تو سانس ہی بند ہونے لگتی ہے۔" اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے.... اور ہر بات میں میرے ابا کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے کیا؟" وہ سوال کررہی تھی اور یہی وہ حد تھی جو سلیم پہچانتا تھا کہ اب اسے مزید نہیں چڑانا۔ اپنے ابا کے ذکر سے وہ ہمیشہ کتراتی تھی۔

"اچھا بتاؤ کیا کام ہے۔ کیا پوچھنا تھا۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"اونہہ.... سارا موڈ ہی غارت کردیا.... اب چلتی ہوں.... رات کو آؤں گی تو بات کریں گے۔" وہ چبوترے سے نیچے اتری تھی۔

"رکو تو.... کیا لفظ پوچھ رہی تھی.... راہنزل....؟ میرا خیال ہے کسی کہانی کا کردار تھا.... ویسے کیوں پوچھ رہی ہو۔" اسے سنجیدہ دیکھ کر نیناں دوبارہ چبوترے پر چڑھی تھی' پھر اسے رانیہ کا پورا مسئلہ بتایا تھا۔

"اس سیلولر کمپنی کا بندہ آتا تو ہے میرے پاس.... میں فون کرتا ہوں اس کو.... پوچھتا ہوں کہ کیا ہوسکتا ہے.... ویسے تم اس لڑکی کو بھی سمجھاؤ نا کہ کچھ دن کے لیے اپنا نمبر بند کردے اور آئندہ الٹے سیدھے لوگوں کو مت دے اپنا نمبر۔" اس نے پوری بات سن کر مشورہ دیا تھا۔

"کہا تو تھا میں نے.... دیکھو اب کیا ہوتا ہے.... ویسے لڑکی تو بہت اچھی ہے وہ۔" وہ رانیہ کی حمایت میں بولی۔

"اچھا چلو تم اب جاؤ.... گاہک آرہے ہیں۔" سلیم نے تین چار لڑکوں کو دکان کی جانب آتے دیکھ کر اسے اشارہ کیا تھا۔ نیناں سرہلا کر پھر چبوترے سے اتر گئی۔

"یہ کام کردینا بھولنا مت۔" اس نے تاکید کی۔

"گاہکوں میں لگ کر کہیں بھول ہی نا جاؤں۔ ایسا کرو مغرب کے وقت دوبارہ یاد کروانا مجھے۔" نیناں نے جاتے جاتے سرہلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے مسز تحریم لودھی نے آپ کے متعلق بتایا تھا۔" شہرین نے اپنے سامنے بیٹھی چالیس بیالیس سالہ پروقار سے حلیے والی خاتون کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ایمن کی برتھ ڈے پارٹی کے ارینج مینٹس کے سلسلے میں ان سے ملنے کے لیے آئی تھی۔ سمیع کے کسی شناسا نے ان کے بارے میں بتاتے ہوئے کافی تعریف کی تھی اور ان کے کام کو تسلی بخش سے اوپر کے ریمارکس دیے تھے۔

"آپ نے لاسٹ منتھ ان کے بیٹے کی برتھ ڈے کی پوری پارٹی ارینج کی تھی نا۔۔۔ میں نے اس کی تصاویر دیکھی ہیں۔۔۔ مجھے اچھا لگا آپ کا کام۔ مسز تحریم کافی تعریف بھی کررہی تھیں۔" شہرین نے وضاحت کی۔ وہ خاتون خوش ہوئی تھیں۔

"بہت شکریہ۔۔۔" وہ اس فیلڈ میں بہت پرانی نہیں تھیں۔ اپنے ہی گھر سے کیٹرنگ کا نیا نیا کام شروع کیا تھا۔ اس لیے محنت بھی کافی کرتی تھیں اور ریٹس بھی مناسب سے تھے۔

"دراصل میری بیٹی کی فورتھ برتھ ڈے ہے کچھ دنوں میں۔۔۔ میں چاہتی ہوں آپ ہمارے لیے بھی بہت اچھے سے ارینج منٹ کریں۔ دراصل یہ برتھ ڈے بہت اسپیشل ہے۔ ہمارے کچھ بہت ہی خاص مہمان آرہے ہیں اس دفعہ۔۔۔ وہ میری بیٹی کو پہلی بار دیکھیں گے تو میں کافی کانشس سی ہورہی ہوں۔۔۔ میں چاہتی ہوں ان پر میرا اور میری بیٹی کا بہت زبردست سا امپریشن جمے۔" وہ اپنا مدعا بیان کررہی تھی۔ وہ خاتون اس کی بات سنتے سنتے سر بھی ہلاتی جارہی تھیں۔ اس کی بات ختم ہوئی تو بولیں۔

"پھر تو آپ بالکل صحیح جگہ پر آئی ہیں۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ سو فیصد آپ کے معیار پر پوری اتر سکوں۔ آپ اپنا بجٹ' ڈیمانڈز اور لوکیشن بتایئے۔۔۔ ڈیٹ اور ٹائمنگ بھی بتا دیجیے۔۔۔ میرے پاس بہت ہی ہارڈ ورکنگ لوگوں کی ٹیم ہے۔۔۔ اللہ نے چاہا تو ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔" نئی ہونے کے باوجود وہ خاتون کافی پروفیشنل تھیں۔ شہرین نے اس کی پوچھی گئیں سب باتیں بتانی شروع کی تھیں جنہیں وہ اپنے آئی پیڈ میں محفوظ کرتی جارہی تھی۔

"یہ کچھ تصاویر ہیں' گزشتہ چھ ماہ کی ان برتھ ڈے پارٹیز کی جو ہم نے ارینج کی تھیں۔ آپ مناسب سمجھیں تو تھیم ان میں سے سلیکٹ کرلیں۔ آپ کی بیٹی کی برتھ ڈے ہے تو تھیم آف کورس گرلش ہوگی۔۔۔ آج کل سنڈریلا' ایلس اور لٹل مرمیڈ کی تھیمز زیادہ پاپولر ہیں۔ "ہیلو کٹی" بھی بچیوں میں کافی مقبول ہے۔" وہ اپنا آئی پیڈ اس کی جانب کرکے اسے تصویریں دکھانے لگیں۔ مختلف قسم کے فیری ٹیلز اور کارٹون کریکٹرز والی تھیم کی پارٹیز کی تصاویر ایک کے بعد ایک شہرین کے سامنے آتی جارہی تھیں اور وہ دیکھتے ہوئے ریجیکٹ کرتی جاتی تھی۔

"اگر آپ کو ان میں سے کچھ بھی پسند نہیں آرہا تو آپ خود اپنی پسند بتا دیجیے۔ ہم اس کے مطابق کام کرلیں۔۔۔ بچیوں میں آج کل باربی اور پرنسس ہی زیادہ ان ہیں۔" ان خاتون نے اپنا مشورہ دیتے ہوئے اس کی رائے بھی جاننی چاہی تھی۔ شہرین نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس کے علاوہ کچھ اور ہے؟" اس نے پوچھا تھا۔

"آپ کی پشت پر جو بورڈ ہے اس پر بھی کچھ آئیڈیاز ہیں۔ وہاں بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔۔۔ فیری ٹیل میں سے نہیں چاہیے تو کوئی بھی کارٹون کریکٹر سلیکٹ کرلیں۔ اسپنج باب ہے' شان دا شیپ بھی پسند کرتے ہیں بچے۔۔۔ کیونکہ برتھ ڈیز بچوں کا فنکشن ہوتا ہے تو بچوں کی پسند کو مدنظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔" وہ خاتون پچھلی دیوار کی طرف لگے دیوار کی طرف اس کی رہنمائی کرتے ہوئے مسلسل بول رہی تھیں اور اسے مختلف کارٹون کریکٹرز کے

بارے میں بتاتی جارہی تھیں۔ شہرین چپ چاپ ان تصاویر کو دیکھنے لگی جو بورڈ پر چسپاں کی گئی تھیں۔ چند لمحے وہ ان پر ہی غور کرتی رہی، پھر بالآخر اس نے ایک کارڈ پر انگلی رکھی تھی۔

"یہ..." اس نے سوالیہ انداز میں اس خاتون کا چہرہ دیکھا اور ان کی رائے جاننا چاہی۔ وہ خاتون اس کے برابر آگئی تھیں۔ وہ ایک بڑے سے قلعے کی کھڑکی میں بیٹھی ہوئی شہزادی کی تصویر کا کارڈ تھا۔ تصویر میں اس کریکٹر کے لمبے بالوں نے شہرین کی توجہ اپنی جانب کھینچی تھی۔ اس کے سنہرے بال قلعے کی کھڑکی سے نیچے کی جانب تصویر کی آخری سرے تک جارہے تھے۔

"راپنزل...؟" اس خاتون نے بھی سوالیہ انداز میں شہرین کا چہرہ دیکھا۔ شہرین نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سرہلایا تھا۔



"اوکے... ڈن..." وہ مسکرائی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"نیناباجی! حمزہ مجھے تنگ کررہا ہے۔" وہ چائے کا کپ لے کر امی کے دیوان پر آکر بیٹھی ہی تھی کہ برکت نے تان لگائی تھی۔ وہ گھر میں بچوں کو ٹیوشن نہیں پڑھاتی تھی لیکن کبھی کبھی پڑوسیوں کے بچے اس سے میتھ سیکھنے یا انگلش کی گرامر وغیرہ کرنے آجایا کرتے تھے۔

"حمزہ تم باز آتے ہو کہ لگاؤں ایک تھپڑ۔" اس نے وہیں سے آواز لگائی۔

"نیناباجی قسم سے میں تنگ نہیں کررہا۔ میں نے تو اپنی کتاب میں اسے اس کی امی کا نام لکھا دکھا رہا ہوں... لیکن یہ دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔" حمزہ نے بھی جواب دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور برآمدے میں ان کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارا حمزہ کے بچے... ہروقت شرارتیں سوجھتی ہیں تمہیں۔" اس نے اس کا کان زور سے کھینچا تھا۔

"آہ... نیناباجی میری غلطی ہویا نا ہو... آپ ہمیشہ مجھے ہی ٹوکتی ہیں۔ حالانکہ میری امی جب بھی کوئی مزے کی چیز بناتی ہیں... میں سب سے پہلے آپ کے لیے لاتا ہوں لیکن پھر بھی..." اس نے مصنوعی انداز میں ہنکارا بھر کر اپنی ناراضی ظاہر کی تھی۔

"ہوئے تمہاری امی کو مزے کی چیز بنانی آتی بھی ہے... پیکٹ کے مسالے ڈال کر بھی بریانی نہیں بنانی آئی انہیں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔ حمزہ کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"میں بتاؤں گا امی کو کہ نیناباجی ایسے کہہ رہی تھیں... بلکہ وہ چپلی کباب بھی نہیں لاؤں گا جو امی بنا رہی تھیں... امی نے کہا تھا کہ جب پڑھ کر آؤ گے تو نیناباجی کے لیے لے جانا۔" نینا نے منہ سائڈ پر کرکے اپنی ہنسی روکی تھی۔ وہ گریڈ 8 کا اسٹوڈنٹ تھا اور باتیں کرنے میں سب کے کان کترتا تھا۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔ کبھی کبھی اچھا بھی پکالیتی ہیں تمہاری امی... چپلی کباب تو ہمیشہ ہی اچھے بناتی ہیں۔" وہ بدقت ہنسی روکتے ہوئے اسے تاکید کرکے بولی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)